U9930 . P 19-1

Title - HAQEEQAT-E-NIFAAQ.

Creator - Sadar uddin Islahi

Publisher - Maktaba Pakistan (Lahore)
Maktaba Deen Ittihaad Press (Lahore)

Date — 1937 (maybe).

Pages - 140

Subject -

حقیقتِ نفاق

تالیف

صدرالدین اصلاحی

مکتبہ پاکستان ظفر منزل تاج پورہ لاہور

قیمت عہ

۱۴

فہرس

مطبوعہ دین اتحاد پریس لاہور

شائع کردہ سید محمد شاہ ایم۔اے برائے مکتبۂ پاکستان

لاہور

۱۹۳۸ء میں جب پٹھان کوٹ کے نزدیک دارالاسلام کی بنیاد ڈالی گئی تو اُس وقت ادارۂ ترجمان القرآن میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا قلمی معاون ایک نوعمر نوجوان تھا۔ جس نے حال ہی میں سرائے میر کے مدرسۃ الاصلاح سے سندِ فضیلت حاصل کی تھی۔ یہ نوجوان علومِ دینی اور تاریخ اسلام کا بصیرت افروز مطالعہ کر چکا تھا اور اب اسلام اور اہل اسلام کی خدمت کے لئے بیتاب تھا۔ زبان اور قلم پر اُس کا اچھا اختیار تھا۔ اُس نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو اپنی خدمات پیش کر دیں اور انہوں نے بخوشی اس کو منظور کر کے اس نوجوان کو ادارۂ ترجمان القرآن میں مضمون نگار کی حیثیت سے شامل کر لیا۔ اس نوجوان کا نام 'صدرالدین اصلاحی' ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی نے ترجمان القرآن میں جو سب سے پہلا مضمون لکھا وہ یہی حقیقت نفاق تھا۔ اس کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے نہ صرف

بے حد پسند کیا بلکہ جا بجا اس میں اپنا مشورہ بھی دیا۔

ضرورت تھی کہ اس مضمون کو جو کئی اقساط میں چھپا تھا کتابی شکل میں طبع کیا جاتا۔ "نفاق اور منافق" کی حقیقت سمجھنے کی اس وقت سخت ضرورت ہے اور اگر ہم نے اپنی حیات ملی کو از سر نو زندہ کرنا ہے تو ہمیں اپنی قوم میں سے منافقین کو سمجھنا اور دیکھنا ہوگا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا ہوگا جس کے وہ مستحق ہیں۔

سید محمد شاہ، ایم۔ اے
سیکرٹری اقبال اکیڈیمی

جون ۱۹۴۴ء

دیباچہ

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نبرد آزما چلی آرہی ہیں۔ ایک کفر دوسری نفاق۔ تاریخ اسلامی کے ابتدائی صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کفار نے پیدا کیں وہ ان موانع کی بہ نسبت کہیں کم اور بے ضرر تھیں جو منافقین کی بدولت پیش آئیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی بھی اکثر معاندانہ کارروائیاں انہی منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی ہی رہین منت ہوا کرتی تھیں۔ بارہا انہوں نے مشرکین کو لڑائی پر ابھارا، غزوات میں مسلمانوں کو اپنی فریب کاریوں سے نقصان پہنچایا، رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کی توہین و تذلیل کی، وطن اور حسب و نسب کے جھگڑے برپا کر کے مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ کرنے کی کوششیں کیں، تقسیم غنائم کے مواقع پر کمزور ایمان رکھنے والوں کو رسول اللہ سے بدظن کیا، اسلامی نظام کے تندرست پیکر میں طرح طرح کے وبائی جراثیم داخل کرنے کی سعی کی، بغرض ضرر رسانی کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان میں سے کسی کو بھی فتنہ و شیطنت کے ان علمبرداروں

نے باقی نہ اُٹھا رکھا۔ کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے ڈنکے
کی چوٹ، اپنی عداوت کا اعلان کرکے، کھلے میدان میں دعوتِ پیکار دیتا
ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پہ دوستی و رفاقت کا لیبل لگا کر، اسلام کے گھر
میں بیٹھ کر، صدہا طریقوں سے اس کی بیخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں کہ
نگاہِ ظاہر بین کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ پھر غور فرمائیے کہ کفر کے مقابلہ
میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ، کتنی بے پناہ اور کیسی کارگر ہوں گی۔ ان کی
روشنی میں زمین پر پڑے ہوئے بڑے سے بڑے اژدھے کو مار ڈالنا
کچھ مشکل نہیں۔ لیکن جو ناگ آستین میں چھپی بیٹھی ہو اس کے زہر سے
بچنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔

خیر و شر کی کشمکش آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ابتدائے اسلام
میں تھی اور آج بھی حق کے مقابلہ میں یہی دونوں طاقتیں مصروفِ جنگ ہیں جو
بدر و احد کے میدانوں اور مدینہ کی گلیوں میں تھیں۔ وہی شرارِ بولہبی ہے اور وہی
فتنہ "عبداللّٰہی"۔ اگرچہ چالیس کروڑ مردم شماری کے مسلمانوں کے خلاف فضائے
عالم میں تقریباً پونے دو ارب "ابولہب" پھیلے ہوئے ہیں تو خود ان چالیس
کروڑ کے اندر بھی بے شمار "عبداللہ ابنِ ابی" موجود ہیں، اور دونوں اپنے
طور پر قرآن اور اسلام کی جڑ کھودنے میں منہمک ہیں۔ پس جس طرح اسلام
کی مدافعت اور خدمت میں اس کے حقیقی پیروؤں کے لیے کفر کے اس شرار

کو سمجھانا ضروری ہے اسی طرح نفاق کے اس فتنہ کا سر کچلنا بھی ناگزیر ہے، بلکہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ کارِ خدمت اوّلین توجہ کا مستحق ہے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک زمانہ میں تو چند ہزار اسلامی سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی ہتی جماعت روم و ایران کی شوکتوں کو پاش پاش کرنے کے بعد بھی اپنے حوصلوں میں کوئی سستی اور اپنے جسموں میں کوئی تھکن نہ محسوس کرے، اور دوسرے زمانہ میں اسی اسلام کے نام لیوا اور اسی قرآن کے اتباع کا دعوٰی کرنے والے کروڑہا افرادِ اللہ کے کھلے باغیوں کے پنجۂ استبداد میں جکڑے پڑے ہوں، اور اس دنیا کے بسنے والوں کے لیے اسلامی نظامِ جماعت و خلافت کا تصور تک عنقا ہو جائے اور خود مسلمانوں کو اس نظام کا نام لینے سے پہلے گھر کے دروازے بند کر لینے کی ضرورت محسوس ہونے لگے! آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا حق کی فطرت بدل گئی ہے؟ کیا خدا کا قانون الٹ گیا ہے؟ کیا اس انقلابِ حال کی وجہ یہ ہے کہ فطرۃ اللہ پہلے اسلام کے غلبہ کی مقتضی تھی اور اب کفر کے غلبہ کی مقتضی ہو گئی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ فطرۃ اللہ کبھی نہیں بدلتی تو ماننا پڑے گا کہ تغیر دراصل اسلام کی فطرت میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے نفس میں ہوا ہے۔ چالیس کروڑ کے عظیم الشان عدد سے دھوکا نہ کھائیے۔ اس تعداد میں حقیقی مسلمان کم اور منافق زیادہ ہیں، اور

منافقین کی کثرت نے حقیقی مسلمانوں کی ایمانی طاقت کو بے اثر بنا دیا ہے۔
اس قسم کی کثرتِ تعداد اسلام کے لیے وجہِ مسرت نہیں باعثِ اذیت ہے
یہ در اصل ایک آماس ہے جو اسلام کے جسم کو لاحق ہو گیا ہے اور اس کے اندر
کی رہی سہی دفاعی توانائی اور آسودگی کو بھی بروئے کار نہیں آنے دیتا۔ جب
وہ حرکت کرنا چاہتا ہے تو یہ آماس اس کا پاؤں پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے پس
آنکھیں چرانے کا وقت نہیں مصلحت کوشی اور مداہنت پر ہزار بار لعنت ہو
کفر پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے خود اپنے جسم کے اس زہریلے آماس پر
نشتر چلانے کی ضرورت ہے پروا نہ کرنی چاہیے اگر اس عمل جراحی سے اس
موٹے جسم کا خون کثیر مقدار میں نکل جائے۔ اگر ان چالیس کروڑ قطرہائے
خون میں سے تین سو تیرہ صالح قطرے بھی باقی بچ جائیں تو غم کیوں ہو؟
وہ تو اسلام کی عین صحت اور طاقت کا وقت ہوگا۔ لیکن اگر کوئی اس تجویز
پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں تو پھر اسلام کی خدمت کے لیے جو راہ
بھی چاہے اختیار کرے ناکامی اور محرومی کے ماسوا کچھ نہیں ہاتھ آنے کا۔
سورۂ نساء کے مطالب پر غور کیجیے وہاں یہ حقیقت معلوم ہو گی کہ سچے مومنوں
کو جھوٹے مدعیوں سے چھانٹ کر الگ کرنا اسلامی جماعت کی تنظیم کے لیے
کس قدر اہم ہے۔ اسے ترک کر کے اسلام کی بھلائی کا کوئی کام نہ اب تک
ہو سکا ہے اور نہ اب ہو سکتا ہے۔

لیکن اسے مخالفِ اسلام طاقتوں کی خوش قسمتی کہیے یا اسلام کی بدقسمتی کہ اب حالات جس قدر ان کے حق میں سازگار ہیں پہلے نہ تھے اور ساری باتوں کو چھوڑیے، سب سے بڑا سوال تو یہ ہے کہ ابولہب اور ابوجہل تو اپنا نام خود بتا دیتے ہیں اور ہم انہیں پہچان کر ان کے مکائد سے بآسانی بچ سکتے ہیں، مگر یہ عبداللہ ابن ابی اور عبداللہ بن سبا جو ہماری جماعت میں ایک دو نہیں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، ان کا پتہ ہم کس طرح چلائیں؟ ان کے نام بھی مسلمانوں کے سے ہیں، ان کی زبانوں سے اسلامی مقاصد کے نعرے اور اسلامی درود کے نالے بھی سننے میں آتے ہیں حتیٰ کہ بسا اوقات یہ ہاتھوں میں تسبیحیں اور بغل میں مصلّے بھی لیے ہوتے ہیں۔ اب کہاں وہ نگہِ نبوت کی معصوم بصیرت ہے جو ان مسلمانیت کا سوانگ بھرنے والوں کی پسِ پردہ ذہنیتوں کو پڑھ کر ہمیں ان کے شر سے آگاہ کرے گی؟ اور کہاں وہ پیام رسانیِ روحِ امین ہے جو ہر موقع پر اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ کہہ کر ان بلند بانگ دعاوی کے فریب سے متنبہ کر دے گی؟ بالخصوص جبکہ ہر شعبۂ زندگی پر یہ لوگ "اکابر" اور "زعمائے ملت" بن کر چھائے ہوئے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان دشواریوں کے پیشِ نظر نظری حیثیت سے بھی مومن و منافق کی تمیز اور تشخیص بہت ہی مشکل اور دشوار طلب ہے، مگر بحمداللہ کہ ناممکن اور محال ہرگز نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم اگر رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور دنیا

کی آخری زندگی تک کے لیے قولِ فیصل اور فرقان بن کر آیا ہے تو یقیناً اس کی قدر و حیثیت کا تقاضا ہے کہ اس حیرانی اور دشواری کے وقت بھی وہ ہماری رہبری کرے اور اس کی آیات ایک ایک منافق کی طرف انگلی اٹھا کر بتلا دیں کہ یہ آسمانی بادشاہت کا مفسد باغی جا رہا ہے۔ اس کی فتنہ پردازیوں سے بچتے رہو چنانچہ جب ہم اس غرض سے قرآن پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معاً نفاق کی پوری اور بے آمیز تصویر وہ ہمارے سامنے کر دیتا ہے اور منافق کی شکل کو اس کے ایک ایک خط و خال کے ساتھ ہم اس طرح دیکھ لیتے ہیں جس طرح دن کی روشنی میں سورج کو۔ لہٰذا مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام تصریحات کو مرتب کر دیا جائے جو قرآن نے وقتاً فوقتاً احوال و صفاتِ منافقین کے متعلق ہمیں دی ہیں تاکہ ہر شخص کے ہاتھوں میں ایک مکمل اور صاف آئینہ پہنچ جائے جس میں وہ منافقینِ امت کی حقیقی تصویر کا عکس دیکھ لے۔ پھر ہم منافقین کے بارے میں قرآن کا حکم بھی بیان کریں گے تاکہ ہر مسلمان خود فیصلہ کرے کہ ان لوگوں کے ساتھ اسے کونسا سلوک کرنا چاہیے اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کے ساتھ اس کے اخلاقی تمدنی معاشرتی اور سیاسی تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔

صدرالدین اصلاحی

نفاق کی حقیقت

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ عہدِ نبوت کے بعد دنیا میں منافقین کا وجود نہیں رہا۔ ایسا یا تو کوئی شخص کافر ہو سکتا ہے یا مسلمان کیسی کے منافق ہونے کا نہ اب کوئی موقع ہے اور نہ ضرورت وعلّت۔ کیونکہ منافق صرف اس وقت ہوا کرتے تھے جب اسلام دنیوی اسباب کے لحاظ سے ناتوان اور کمزور تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں کفر کی مادی ہیبت چہار دانگِ عالم پہ چھائی ہوئی تھی جو ہر لمحہ اسلام اور متبعینِ اسلام کو مصائب کے طوفان میں جھونک دینے کی تیاریاں کیا کرتی تھی۔ اُس وقت مسلمان ہونا گویا موت سے چشمک زنی کرنا اور دردناک تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس لیے جو لوگ ان مصائب کو جھیلنے اور عیشِ دنیا کی قربانیاں دینے کی اپنے اندر سکت نہ پاتے تھے وہ زبان سے آمنّا وصدّقنا کہا کرتے تھے اور نبیؐ کی صحبتوں میں اور خود اپنے دل کے اندر کفر کے حامی و پرستار تھے، تاکہ مسلمانوں کے خوف سے بھی مامون رہیں اور کفار کے خوف سے بھی یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ

وَیَاۡمَنُوۡا قَوۡمَھُمۡ۔ لیکن جب حالات منقلب ہو چکے، اسلام کی مغلوبیت اور کمزوری، طاقت و غلبہ سے بدل چکی اور کفار کے ان خطرات کا اندیشہ نہ رہا جو اسلام کے دورِ مظلومیت میں تھا تو پھر کوئی منافقت اختیار کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کرنے لگا؟ اگر وہ قرآن کو حق تصور کرتا ہے تو کھلے بندوں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے گا۔ اور اگر وہ اس پر ایمان نہیں رکھتا تو پھر زبان سے آمنّا کہنے کی نہ کوئی مصلحت ہے نہ ضرورت۔

یہ شبہ دراصل لفظ نفاق اور منافق کی حقیقت، اس کے محرکات اس کے مصالح اور اس کے مظاہر پر پوری وسعت اور سنجیدگی سے غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر مذکورہ بالا دلیل بغیر رد و قدح کے تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی اس سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ منافق کی یہ خاص قسم اب نہیں پائی جا سکتی یعنی اس خاص مقصد اور مصلحت کی بنا پر اب کوئی شخص منافقت نہیں اختیار کر سکتا۔ اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اب نفاق کسی شکل میں موجود ہی نہیں رہا۔ منافق کی اگر ایک قسم اور منافقت کی اگر ایک علّت نہیں رہی، تو اس کے سوا بہت سی دوسری اقسام اور علل اب بھی موجود ہیں جو ملتِ اسلام کی تباہی و بربادی کا کام نہایت ہوشیاری اور کامیابی سے سر انجام دے رہی ہیں نیز یا طان کے سیکنڈوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ اگر اٹھ جائے تو یہ یقیناً بڑی نادانی اور بے بصیری ہو گی کہ

ناکارہ اپاہج اور لولا سمجھ لیا جائے۔ نفاق کا مفہوم اس کے سوا کیا ہے کہ زبان سے خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت کا اقرار کیا جائے مگر دل میں خدا کے قانون اور رسول کی ہدایت سے کوئی لگاؤ نہ ہو، اور آئین قرآنی کے مقابلہ میں دنیوی مصالح۔ نفسانی رجحانات اور جسمانی لذائذ زیادہ مرغوب ہوں۔ بلکہ انہیں مصلحتوں اور فائدوں کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کے لیے ایمان اور اسلام کو آڑ بنایا جائے۔ چنانچہ قرآن نے نفاق کو خود ہی کئی جگہ کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ (البقرہ - ۲)

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ جزا پر ایمان لائے حالانکہ اندر سے وہ مومن نہیں وہ (بزعم خود) اللہ کو اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ اپنے سوا کسی کو فریب نہیں دیتے، مگر انہیں اس حقیقت کا شعور نہیں۔ (البقرہ ــ ۲)

...... اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (مائدہ - ٦)

جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر فی الحقیقت ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ (مائدہ ٦)

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ	جب منافق تمہارے پاس آتے
قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ	ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں
لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ	کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ
إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ	تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول
إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔	ہو مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنے
(المنافقون ۔ ۱)	ادعائے ایمان میں جھوٹے ہیں۔
وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ	اور یہ لوگ اللہ کی قسم کھا کر کہتے
إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ	ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں حالانکہ
مِنْكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ	وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ تو ایسے
يَفْرَقُونَ۔ (توبہ ۔ ۷)	لوگ ہیں جو (غیر اللہ سے) ڈرتے ہیں

اعراب کے دعوائے ایمان کے متعلق فرمایا جاتا ہے :۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ	عرب کے بدو کہتے ہیں کہ ہم
آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا	ایمان لائے ۔ ان سے کہدو کہ نہیں
وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا	تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ	ہم مطیع ہو گئے ہیں (یعنی بظاہر
فِي قُلُوبِكُمْ (حجرات ۔ ۲)	مسلمان ہیں) ورنہ ایمان کا تو ابھی تک

تمہارے دلوں میں گذر نہیں ہوا ہے ۔ (حجرات ۔ ۲)

یعنی بظاہر اطاعت کر لینا ایمان کی دلیل اور سند نہیں ہے۔ ایسے مسلمان کو "مومن" نہیں کہا جا سکتا۔ یہ وہ مسلمانیت ہے جس کی تہ میں خالص کفر کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے "مسلمان" اس اعلان و اقرار کے پہلے جس طرح کافر تھے، اللہ عالم الغیب کہتا ہے کہ ویسے ہی اس کے بعد بھی کافر رہے وَاِذَا جَآءُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوۡا بِالۡكُفۡرِ وَهُمۡ قَدۡ خَرَجُوۡا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡتُمُوۡنَ (مائدہ - ۹)

یعنی جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ جیسا کفر لیے ہوئے وہ آئے تھے ویسا ہی کفر لیے ہوئے واپس گئے اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہ ہے نفاق کی ماہیت جو ان آیات کے اندر جھلک رہی ہے انہی تصریحات کو سامنے رکھ کر علمائے اصطلاحاتِ شرعیہ نے نفاق کی تعریف اس طرح کی ہے :-

هو الدخول فی الشرع من باب والخروج عنه من باب -

پھر اس دخول و خروج کا محرک ہونا صرف ایک ہی شئے تک تو محدود

سلہ یعنی ایک دروازے سے حلقۂ اسلام میں داخل ہونے اور دوسرے سے نکل آنے کو نفاق کہتے ہیں۔ (مفردات امام راغب اصفہانی)

ہے نہیں۔ اس کے بیسیوں محرکات ہو سکتے ہیں۔ البتہ سب کی تہ میں حقیقت اور روح ایک ہی ہوگی اور ایک ہی ہو سکتی ہے یعنی قرآن پر عدم یقین اور دنیا پرستی۔ چنانچہ آگے کی تفصیلات میں آپ پائیں گے کہ تقریباً ہر گروہ منافق کے ادعائے ایمان پر غالب نصیب اُنہیں جھوٹے کذاب، منکرِ قرآن اور محاربِ اسلام کے خطاب سے یاد کرتا ہے۔

منافقین کی اقسام

اگرچہ نفاق کی اصل اور روح ہر جگہ ایک ہے لیکن اس کے مظاہر میں کافی تعدّد پایا جاتا ہے۔ اس لیے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ قرآن کی رو سے منافقین کی کتنی اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں۔

(۱) بناوٹی مسلمان | نزول قرآن کے وقت ایک قسم کے منافق وہ تھے جو اپنے قدیم مذہب پر سختی کے ساتھ جمے ہوئے تھے مگر بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان محض اس لیے کرتے تھے کہ بعد میں مرتد ہو کر اسلام سے دنیا کو متنفر کریں اور لوگوں سے کہیں کہ اگر اسلام حق مذہب ہوتا تو ہم اسے قبول کر کے چھوڑ کیوں دیتے؟ قرآن اس گروہ کا ذکر بدیں الفاظ کرتا ہے:-

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ	اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنی
اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ	جماعت کے آدمیوں سے کہتا ہے کہ مسلمانوں
اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ	پر جو قرآن نازل ہوا ہے اس پر صبح کو
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ	ایمان لاؤ اور شام کو انکار کر دو تاکہ [illegible]

بھی تمہیں دیکھ کر اس دین سے پھر جائیں۔ (آل عمران-۸) آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

اسلام کی اجتماعی طاقت کو توڑنے اور اس کی ہوا اکھاڑنے کے لیے دشمنانِ الٰہی کا یہ کتنا موثر نفسیاتی حربہ تھا۔ آج یہ حربہ ایک دوسری طرح استعمال ہو رہا ہے۔ بعض پیدائشی اور خاندانی مسلمان اسلام کو اعتقاداً اور عملاً چھوڑ کر کسی دوسری طرزِ خیال اور مسلک اجتماعی پر ایمان لے آتے ہیں، مگر اپنے نام نہیں بدلتے بلکہ بدستور مسلمان بنے رہتے ہیں اور پھر اس مسلک کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں تاکہ دوسرے مسلمان بھی ان کے ناموں اور لباسوں سے دھوکا کھا کر اس کو آسانی سے قبول کر لیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو بڑے بڑے علمبرداران حریت — مسلمان علمبرداران حریت — یہ سبق دیتے اور نہایت دلسوزی سے سمجھاتے ہیں کہ اس دورِ جدید میں اس پرانے اسلام کو نہ لیے پھرو جو ایک خاص ماحول اور ایک خاص قوم کی اصلاح کے لیے تھا۔ دنیا ہزارہا منزلیں آگے نکل چکی ہے۔ اب وہ اصول کام نہیں دے سکتے۔ اب ایک نیا اسلام بناؤ۔ رضا شاہ اور اتاترک کو دیکھو آخر وہ بھی تو مسلمان ہیں بلکہ اسلام کی تلوار ہیں۔ اگر اسلام کے وہ قدیم اصول آج کام کے ہوتے تو یہ لوگ کیوں انہیں چھوڑ کر سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے قوانین اختیار کرتے؟ اس قسم کا وعظ "مسلمان" زعما اور اہلِ قلم حضرات مسلمانوں کو برابر سنا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ ہے آزاد خیالی اور روشن خیالی کا اس لیے

انہیں منافق نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اسلام کے دوست محافظ اور رہنما کہلاتے ہیں۔

(۲) دشمنان اسلام کے جاسوس | اسلامی نظام کی تباہی کے لیے قرن اول کے منافقین کبھی ایک اور راستہ اختیار کرتے تھے، وہ اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کی جمعیت میں گھس جاتے تھے اور گھسے رہتے تھے تاکہ ان کے سیاسی عزائم و تدابیر کی ٹوہ لگاتے رہیں اور اپنی قوم کو یا دوسرے اعدائے اسلام کو ان سے باخبر کرتے رہیں۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اس شر انگیز گروہ کے وسائس کو عریاں کیا گیا ہے:۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا	منہ سے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت
بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ	گزار ہیں مگر جب تمہارے پاس سے اٹھ
طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي	کر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ تمہاری گفتگو
تَقُولُ ...... وَإِذَا جَاءَهُمْ	اور تلقین کے برعکس دوسری ہی باتوں کا مشورہ
أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ	کرتے ہیں ...... اور جب ان کے پاس امن
أَذَاعُوا بِهِ ط (النساء ـ ۱۱)	یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے اہل حل

وعقد کے پاس صیغۂ راز میں رکھنے کے بجائے مشہور کر دیتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ	تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں

مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ ۔
(مائدہ ـــ ۸)

جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے کہ وہ مخالفین اسلام کے درمیان بڑی دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں

ایک اور مقام پر منافقین کی یہ صفت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا
عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا
نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ
(مجادلہ ـ ۲)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
جنہیں سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا
پھر وہ باز نہیں آئے اور برائی اور عدوان
اور نافرمانی رسول کی باتیں کرتے رہتے
ہیں ۔

ان کے سینے ایک ایسے تنور کے مانند تھے جس میں اسلام کی نفرت اور عداوت کی آگ ہر دم جلتی رہتی تھی ۔ وہ مسلمانوں کی برتری اور خوشحالی کو دیکھ کر غصہ سے پاگل ہو جاتے تھے ، اور انہیں مصائب و آلام میں گھرا دیکھ کر قلبی سکون و مسرت محسوس کرتے ۔ قرآن نے ان کی اس کینہ جوئی کے مکروہ چہرہ سے یوں نقاب اٹھایا ہے :۔

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا
آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا
عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ
. . . . إِن تَمْسَسْكُمْ

جب یہ لوگ تم (مسلمانوں) سے ملتے
ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور جب علیحدہ
ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے اپنی انگلیاں
کاٹتے ہیں . . . . . اور اگر تمہارا کوئی بھلا

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا۔ (آلِ عمران ۔۔ ۱۱)

ہوتا ہے تو ان کو رنج پہنچتا ہے اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو بہت مگن ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کو ترکی سلطنت کی پچھلی داستانیں معلوم ہیں وہ جانتے ہیں کہ کس طرح اس سلطنت کا قلب ان سازشیوں کا مرکز بن گیا تھا جو یورپین حکومتوں سے اندرونی تعلق رکھتے تھے۔ عرب میں کتنے ہی ایسے منافق اسلام کے لباس میں موجود تھے جنہوں نے اپنی دنیوی اغراض کی خاطر کفار کو مسلمانوں پر مسلط کرایا۔ خود ہندوستان میں مسلمانوں کی برائے نام حکومت کو جنہوں نے بیرونی حملہ آوروں کے ہاتھ فروخت کیا وہ بھی تو آخر مسلمان ہی تھے۔ اور آج ہمارے درمیان کتنے وہ لوگ موجود ہیں جو ماشاء اللہ مسلمان بھی ہیں اور پھر اپنے دنیوی فائدوں کے لیے خبر رسانی سے لے کر لاٹھی چارج اور آتش باری تک کی تمام وہ خدمات انجام دیتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو مغلوب رکھنے کے لیے کفار اُن سے لینا چاہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے لوگ بھی مسلمانوں میں مل جائیں گے جو حکومت کفر کی خیر خواہی و مصلحت اندیشی میں خود کفار سے بھی آگے قدم رکھتے ہیں۔

(۳) مذہبی گروہ بندی کرنے والے لوگ | منافقین کا ایک طبقہ وہ تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں محض تفریق اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی خاطر اسلام کا لیبل لگائے

رہتا تھا۔ یوں تو جماعتی زندگی کے لیے تفرقہ عموماً ضرر رساں ہوتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ جو تفرقہ مذہب اور حق پرستی کی آڑ میں نمودار ہوتا ہے وہ ایسا زہرِ ہلاہل ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ منافقین نے اس نسخہ کو بھی پورے حزم و احتیاط سے آزمایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کفر زارِ مکہ سے مایوس ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے تو ابتدا میں آپ نے شہر سے تین میل کے فاصلہ پر قبا نامی ایک مقام پر چند روز قیام فرمایا تھا (باختلاف مورخین چار دن یا چودہ دن قیام رہا) اس اثنا میں باقاعدہ اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک مسجد کی بنا ڈالی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوئی سنہ ۹ھ میں ابو عامر راہب کے اشارے پر منافقین نے اس کے قریب ہی ایک اور مسجد بنائی اور مشہور کیا کہ کمزور اور مجبور لوگوں کے لیے، جو بارش یا رات کی تاریکی میں اس مسجد تک نہیں جا سکتے، ہم نے یہ انتظام کیا ہے تاکہ وہ آرام سے یہاں نماز پڑھ لیں۔ تعمیر ہو چکنے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان منافقین نے استدعا کی کہ آپ بطور تبرک اس کا افتتاح فرما دیں، اس کے بعد ہم نماز پڑھیں گے۔ قبل اس کے کہ آپ ان کی خواہش کو عملاً شرفِ پذیرائی بخشتے عالم الغیب نے ان بدطینت لوگوں کی مکروہ لیکن سخت خوفناک چالوں کا راز فاش کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ :-

"اور (ایک قسم کے منافقین وہ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنیار کی ہے کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرکے انہیں نقصان پہنچائیں اور خدا کے ساتھ کفر کریں اور ان لوگوں کے لیے کمین گاہ بنائیں جو پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں۔ (مسجد کی تعمیر تو اس فتنہ اور عداوت کی نیت سے عمل میں آئی ہے لیکن جب پوچھا جائے گا تو) قسمیں کھا کر کہیں گے کہ خیر اور نیکی کے سوا ہمارے ارادوں میں کوئی چیز نہیں۔ مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ (پس اے پیغمبر) تم اس مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھنا ...... (توبہ ۔ ۱۳)

مسجد یعنی خداپرستی اور امن و صداقت کے مرکز اور وحدت و اخوت کے سرچشمہ کو نفس پرستی اور تفرقہ انگیزی کا ذریعہ بنانا کچھ اُسی زمانہ کے منافقین کی خصوصیت نہیں تھی۔ کیا آپ، اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ اس مرکز وحدت و جمعیت کو آج بھی اسی طرح تفریق بین المومنین کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ مدینہ کے دشمنانِ حق نے تو ایک مسجد ضرار بنائی تھی لیکن یہاں "علمبرداران حق" نے مشرق سے مغرب تک ہزارہا ایسی مسجدیں بنا رکھی ہیں اور تبلیغ حق کے نام پر امت کو دعوتِ نزاع دے رہے ہیں۔ اسلام دشمنی کی یہ انتہائی خطرناک صورت تھی جسے منافقوں نے اختیار کیا تھا کہ فتنہ کو آشتی، شر کو خیر اور معصیت کو نیکی کے پردہ میں پیش کیا جائے یا بالفاظِ دگر خیر و صلاح ہی سے

شر و فساد کا کام لیا جائے۔ ان منافقوں پر تو سو بار لعنت کی جاتی ہے جنہوں نے آغازِ اسلام میں ایسی شر انگیز حرکت کی تھی، اس لیے کہ خدا نے صاف صاف ان پر نفاق کا الزام لگا دیا ہے، لیکن کیا تصور فرمائیں گے آپ دورِ حاضر کے ان پیشوایانِ دین کے متعلق جنہوں نے دین کو اپنی اہواء و آراء کی آماجگاہ بنا رکھا ہے؟ جو اسلام کے نام پر امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں، جن کی مسجدوں کے دروازوں پر موٹے موٹے حرفوں میں لکھا رہتا ہے کہ "اس مسجد میں کوئی وہابی نہ گھسے" — "یہ مسجد اہلِ حدیث کی ہے کوئی مقلد اس میں نماز نہیں پڑھ سکتا" — "یہ مسجد فلاں فرقہ کی ہے۔ دیگر فرقوں کو اندر قدم رکھنے کی اجازت نہیں — اور ایسی ہی دوسری عبارتیں جنہیں پڑھ کر آنکھیں فرطِ حیرت سے اور دل شدتِ الم سے پھٹ جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے حق میں کیا ارشاد ہے جنہوں نے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کو ایک امت کا مخصوص شعار قرار دیا اور اس کلمہ کو اپنی مساجد کے دروازوں اور محرابوں پر باصرار کندہ کرایا تاکہ ہر ایسی مسجد اس کلمہ کی برکت سے لڑائی کا اکھاڑہ بن جائے۔ کہا جاتا ہے کہ گو اعمال اور نتائج ایک سے ہیں لیکن نیتوں میں فرق ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں جو مذہبی گروہ بندیاں ہیں ان کی تخلیق میں وہ غرض و غایت نہیں ہے جو ان منافقین کے پیش نظر تھی۔ مگر اول تو ہمیں یہی نہیں معلوم کہ نیتیں متعین کس طرح کی جا سکتی ہیں؟ آخر مسجد ضرار کے

باغیوں کی زبان سے بھی تو إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ کا ہی نعرۂ خلوص سنا گیا تھا۔ پھر اگر فرض کر لیا جائے کہ ان مدعیانِ اسلام کی نیتیں بالکل خالص اور بے لوث ہی ہیں تب بھی کیا سنکھیا کسی شخص کو موت کے حوالے کرنے سے اس لیے باز رہ سکتی ہے کہ کھلانے والے نے اُسے تریاق سمجھ کر کھلایا تھا؟ اگر یہ صحیح نہیں تو یہ کس طرح صحیح ہے کہ کعبہ سے کفر کی تبلیغ کرنا محض اس وجہ سے درگذر کے قابل ہے کہ تبلیغ کرنے والے کی نیت صاف ہے۔ افسوس ہے کہ یہ مصیبت جتنی ہی سخت ہے اور ہولناک ہے اس سے اتنی ہی بے پروائی اور مداہنت برتی جا رہی ہے۔

(۴) <u>نسلی اور وطنی افتراق پیدا کرنے والے مفسد</u>: تفرقہ انگیزوں کا ایک اور گروہ وہ تھا جو مہاجرین اور انصار کے درمیان نسلی، قومی اور وطنی عصبیتیں پیدا کرنے میں سرگرم رہتا تھا، اور مسلمانوں کی جماعت میں اس مقصد سے دوڑ دھوپ کرتا تھا کہ موقع پا کر نسلی اور وطنی حمیتِ جاہلیہ کو اُبھار کر اس جماعت کی طاقت فنا کر دے۔ منافقوں نے یہ شرارت کئی بار کی۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر تو اسی شرارۂ قومیت نے سارے اسلامی اتحاد کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا اگر رسول اللہ ﷺ کی مستحکم تربیت نے صحابۂ کرام کو ان جہل پرستوں سے بلند و بالا نہ کر دیا ہوتا۔ ایک انصاری اور ایک مہاجر میں معمولی سی جھڑپ ہو گئی تھی۔ سید المنافقین عبد اللہ ابن اُبی نے موقع غنیمت جانا۔ انصار کو اپنے نسلی اور

قومی مفاخر یاد دلائے اور کہا کہ یہ غیر ملکی اب تمہاری آستین کے سانپ بن گئے ہیں، کل تک تمہارے رحم و کرم پر جی رہے تھے آج تمہارے منہ لگ رہے ہیں بلکہ خود ذلیل ہوتے ہوئے اُلٹا تم کو ذلیل اور کمتر سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کے فتنہ سے لوگوں کو متنبہ کیا اور عزت و ذلت کے جاہلی تخیلات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔

(منافقون - ۳)

یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا (اہل مدینہ) ذلیل لوگوں (آنحضور اور مہاجرین) کو وہاں سے نکال باہر کرے گا حالانکہ اصلی عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے لیکن یہ منافق جانتے نہیں۔

اس قسم کے منافقوں کا تو آج عالم اسلامی میں جال بچھا ہوا ہے۔ اپنی جاہلی اغراض کی خاطر آئے دن نسلیت اور وطنیت کے سوالات اُٹھا کر امتِ مسلمہ کے، جس کا کبھی ایک قبلہ اور ایک مرکز تھا، اب بے شمار قبیلے اور مختلف مرکز بنائے جا چکے ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ منافقین غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے تھے اور آج کے دشمنانِ قرآن مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہیں لیکن جس طرح وہ پیشرو اپنی سفلی اغراض اور نفسانی رجحانات کی تکمیل کے

اسلامی نظامِ جماعت کو ڈھانا ضروری سمجھتے تھے اسی طرح ان کے مقلدین بھی اس نظامِ مسلم کو توڑنے ہی میں اپنے نفس کی فلاح سمجھتے ہیں۔ مگر جس طرح وہ اپنی تکمیلِ اغراض کے لیے اسلام کا نقاب اوڑھنا ضروری سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی مسلمانیت کا لبادہ اتار پھینکنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اولیٰ و انسب طریقہ یہی ہے کہ وطن پرستی کی چھری سے اسلامی نظامِ جماعت کو ذبح بھی کریں تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کریں۔

(۵) مطلب پرست اور دو رنگے لوگ | منافقین کا ایک گروہ وہ ہوتا ہے جن کے لیے سب سے مقدم اپنے ذاتی دنیوی فوائد ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہر اس راہ پر چلنے سے گریز کرتے ہیں جو ان کے لیے کوئی جانی یا مالی خطرہ پیدا کرنے والی ہو خواہ وہ حق کی راہ ہو یا باطل کی۔ یہ لوگ ابن الوقت اور موقع پرست ہوتے ہیں ان کو حق اور باطل کے جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ صرف اپنے شخصی مفاد سے دلچسپی ہوتی ہے جس کی خاطر وہ مسلمانوں سے بھی ملے رہنا چاہتے ہیں اور کفار سے بھی تاکہ معرکۂ کفر و اسلام میں واقعات کا اونٹ جس کروٹ بیٹھے اسی کروٹ یہ بھی بآسانی پلٹ جائیں۔ ابتدائے اسلام میں بھی ایسے منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ چنانچہ قرآن ان کی باطنی و ظاہری خصوصیات کا تفصیلی نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:۔

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم

آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے ہیں (محض بہ
بنائے مصلحت یہ کہہ کر) وہ خدا اور ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے
ہیں، حالانکہ وہ اس طرح خود اپنے ہی کو دھوکا دے رہے ہیں جس کا وہ
شعور اور ادراک نہیں رکھتے . . . . . اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ
(قانون اسلام کے مکمل تابع ہو جاؤ اور) زمین میں فساد نہ برپا کرو تو کہتے ہیں
کہ ہم تو (کفار اور اہل اسلام کے باہمی جھگڑوں سے الگ رہ کر) مصلح
کل کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ یاد رکھو! یہی لوگ حقیقی مفسد ہیں (جو یکطرفہ
صاف راہ نہیں اختیار کرتے) لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں۔ اور جب
ان سے کہا جاتا ہے کہ (اس دورنگی کو چھوڑ کر) اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح
کہ اور مسلمان ایمان لاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں
جس طرح یہ بے وقوف غیر مآل اندیش اور نامصلحت شناس لوگ ایمان لاتے ہیں؟
لیکن یاد رکھو! واقعی احمق اور ناانجام شناس یہی لوگ ہیں مگر وہ اس راز
کو بوجھتے نہیں۔ اور جب مسلمانوں سے یہ لوگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ
اٰمَنَّا (ہم بھی مومن ہیں) اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے
ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی مسلمانوں سے مذاق
کرتے ہیں اور انہیں بے وقوف بناتے ہیں۔"

(بقرہ — ۲)

خط کشیدہ فقروں پر غور کیجیے۔ یہ لوگ خدا کے قانون کی پیروی اور رسول کی کامل اطاعت کو فساد اور نقضِ امن کی بنا سمجھتے تھے۔ قرآنی اوامر و نواہی پر خلوصِ قلب کے ساتھ عمل کرنے کو "بے وقوفی" سے تعبیر کرتے تھے کہتے تھے کہ یہ کیسے احمق اور ناعاقبت اندیش لوگ ہیں جو کھلم کھلا قرآن کی حاکمیت تسلیم کر کے عرب و عجم کی دشمنی مول لیتے اور اپنے عیش و آرام کو برباد کرتے ہیں "مصلحت وقت" کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر فریق سے نباہتے چلو، ہر ایک سے اپنا مقصد حاصل کرو۔ اگر مسلمان شکست کھائیں تو کفار سے دوستی قائم رکھنے کا صلہ ملے گا، گیہوں کے ساتھ گھن نہ پسے گا۔ اگر مسلمان فتحیاب ہوتے تو مسلمانوں میں شامل رہنے کا فائدہ حاصل ہوگا، جو دنیوی فوائد دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہوں گے ان میں حصہ بٹانے کا موقع ملے گا۔ اور یہ دوسرا نفع اس طرح حاصل ہوگا کہ نہ اپنا ایک پیسہ خرچ کرنا پڑے اور نہ اپنے پسینے کا ایک قطرہ بہانا پڑے۔ دیکھو ہمارا طریقہ کس قدر مصالحانہ اور امن آفریں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول کی کامل اطاعت کیوں ضروری ہو؟ ہر شریعت اپنی اپنی جگہ درست اور حق ہے، ایک کو دوسرے پر فضیلت کی کیا وجہ؟ امن اور صلح کا راز اسی میں ہے کہ ہر ایک کو برحق قرار دو اور اس حق و باطل کے جھگڑے میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہو۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں قرآنِ مجید ان لوگوں کی حالت کو ایک تمثیل

کے پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے :۔

"یا ان منافقوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی بارش میں گھر گیا ہو جس میں کئی طرح کی تاریکیاں ہیں، کڑک ہے، بجلی ہے۔ کڑک ایسی سخت کہ جان کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں اور بجلی کا ایسا زور کہ آنکھیں اندھی ہوئی جا رہی ہیں۔ اور کافروں کو چاروں طرف سے خدائے قادر و توانا نے گھیر رکھا ہے۔ جب ان کے سامنے بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں وہ قدم چل لیتے اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہیں" (البقرہ ۔ ۲)

پچھلی تفصیل میں ان منافقین کی تصویر باطنی کے جو گوشے کسی قدر تاریکی میں رہ گئے تھے اس تشبیہ نے ان سب کو روشنی میں کر دیا ہے۔ یہاں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ وہ اپنی اس دورنگی کو نباہتے کس طرح تھے اور "مسلمانیت" کے ظاہری دعویٰ کا حق کس حد تک ادا کرتے تھے۔ قرآن پر ان کا اعتقاد تو تھا نہیں محض اپنے دنیوی مفاد اور مقاصد کی خاطر زبان سے ایمان ایمان کا شور مچایا کرتے تھے۔ اس لیے جب قرآن کے ہلکے اور بے ضرر احکام کا معاملہ ہوتا تو اس پر بڑی مستعدی اور تن دہی سے عمل کر کے اپنی اسلامیت کا اظہار کرتے لیکن جب سخت احکام کی باری آتی جب عیش و آرام اور لذات دنیوی کی قربانی کا مطالبہ ہوتا تو یکایک سارا جوش ایمانی سرد

ہو کر رہ جاتا۔ وحشت اور حیرانی کی تاریکیوں میں گھر جاتے اور موت کی سی غشی طاری ہونے لگتی۔ رب العالمین کے احکام جو دوسروں کے حق میں باران رحمت تھے وہ ان بدنصیبوں کے حق میں بجلی کے جاں ستاں کڑکے بن گئے تھے کہ سنتے اور موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے گویا ان منافقین کا مرکزی وصف یہ تھا کہ احکام کی تعمیل ان پر سخت شاق گذرتی تھی۔ اور خدا کی شریعت ان کے لیے رحمت و نعمت ہونے کے بجائے الٹی مصیبت اور زحمت بن جاتی تھی۔

جہاد کا میدان قوت ایمانی کی سب سے کڑی آزمائش گاہ ہے جہاں منافق کے لیے اپنے رنگ باطن کا چھپانا یکسر ناممکن ہو جاتا ہے۔ منافقین کا یہ گروہ جس کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں ہے، ہر موقع پر اپنے آپ کو چھپانے میں کچھ نہ کچھ ضرور کامیاب ہو جایا کرتا تھا، اسلامی معاملات پر ایمان و اخلاص کا پیکر بن کر آتش بیانیاں بھی کر لیتا تھا، مسلمانوں کی قومی فلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کیا کرتا تھا، موقع بہ موقع جیب کے چندے بھی "راہ خدا" میں صرف کر دیا کرتا تھا اور کسی نہ کسی طرح نمازیں بھی پڑھ لیا کرتا تھا لیکن جب خدا کے احکام انکی جانوں کا مطالبہ کرتے یا وہ وقت اس کے لیے بڑا سخت ہوتا جس دنیا کے عشق میں مر رہے تھے دین او حق اور اپنے ضمیر کو بیچا تھا اگر اسی کی نذر مانگی جاتی تو وہ اس کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادعائے ایمان کا راز فاش ہو جاتا اور لاکھ زیر نقاب ہونے کے باوجود بے نقاب ہو کر رہتا، عالم الغیب باری تعالیٰ

حکم دے کر نیز بعض اوقات مسلمانوں کی جماعت کو شکستیں کھلا کر ایسے تمام فریب کاروں کی اصل تصویر کو برملا عریاں کرنے اور انہیں مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب کبھی حکم قتال نازل ہوتا یہ منافق کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور ہی گھروں میں بیٹھے رہتے۔ اور جب مسلمان لڑ کر واپس آتے تو یہ لوگ اپنی عدم شرکت کے لیے معذرتیں پیش کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے حسن باطن کا یقین دلانے کی سعی کرتے۔ غزوۂ احد کے سلسلے میں ان عیاروں اور دنیا کے پرستاروں نے منافقت کا جو پارٹ ادا کیا، سنیے قرآن اس کا تذکرہ کن لفظوں میں کرتا ہے:۔

"دونوں جماعتوں کی (یعنی مسلمانوں اور کافروں کی) مڈبھیڑ کے دن (غزوۂ احد کے وقت) تمہیں جو کچھ نقصان اور ہزیمت اٹھانی پڑی وہ اللہ کے حکم کے مطابق تھی اور اس غرض سے تھی کہ (ہم تمہیں آزمائیں) اور معلوم کر لیں (یعنی لوگوں پر ظاہر کر دیں) کہ کون سے لوگ (واقعی) مومن ہیں اور کون سے ایسے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔ (اس دن) منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (کم سے کم دشمنوں سے) مدافعت ہی کرو، (یہ سن کر) کہنے لگے کہ اگر ہم سمجھتے کہ آج لڑائی ہو گی تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اس وقت ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان کے

دلوں میں نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے راز دروں کو خوب جانتا ہے۔
(یہی وہ لوگ ہیں) جو خود بیٹھے رہے اور میدانِ جنگ میں شہید ہو جانے
والوں کی نسبت کہتے رہے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔"

(آلِ عمران)

یہ بھی نفاق کی خباثت اور اس کی حیلہ جوئی۔ دشمن صدہا میل طے کرکے اپنی پوری قوت سے میدانِ جنگ میں خیمہ ڈالے پڑا ہے اور ادھر سے جواب دیا جاتا ہے کہ لڑائی بھڑائی تو ہونے کی نہیں۔ اور جب اللہ کے مخلص جاں نثار اپنا فرض ادا کرکے شہید ہو گئے تو ہمدردانہ فرمایا جاتا ہے کہ اگر ہماری تدبیر پر عمل کرتے تو کیوں دنیا کی لذتوں سے ہاتھ دھوتے۔ گویا خود تو خود، دوسرے انسانوں کے متعلق بھی یہ بندگانِ نفس یہ تصور کرنے سے قاصر تھے کہ آیا حق و ایمان کی اتنی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے کہ اس پر اس دنیائے دنی کو قربان کر دیا جائے۔

جب سچے مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں، دشمن کی کثرت اور اپنی قلتِ تعداد کا لحاظ کیے بغیر، رسول کی دعوتِ جہاد پر آمادہ ہوتے تو یہی منافق ان پر آوازے کستے کہ "انہیں ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے" (انفال ۔ ۷)، ان پر عقیدت کا جنون سوار ہے، یہ مذہبی مجنون ہیں جو کچھ نہیں دیکھتے کہ انجام کیا ہوگا۔ دراصل ان منافقین کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ

اس دنیا میں اگر کوئی راہ اختیار کرنے کی ہے تو صرف اس لیئے کہ وہ مادی منفعت بخش سکے ۔ اور اگر کوئی راہ چھوڑ دینے کی ہے تو محض اس لیئے کہ اس میں جان و مال کا زیان ہے ۔ اسی ذہنیت کی دوسری تصویر ملاحظہ ہو :-

"اور تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو میدانِ جہاد سے بچنے کی ٹھان بیٹھے ہیں ۔ اگر تم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھ پر بڑا ہی فضل و احسان کیا کہ میں ان (مسلمانوں) کے ہمراہ نہ تھا (ورنہ میں بھی پس گیا ہوتا) ۔ اور اگر تمہیں خدا کی طرف سے کوئی فضل حاصل ہوا تو (ان کا دل جل گیا) کہنے لگے ۔ اس طرح کہ گویا تمہارے اور ان کے درمیان کبھی کوئی دوستی تھی ہی نہیں ۔۔۔ کہ اے کاش میں بھی ان (مسلمانوں) کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا (یعنی مجھے بھی مالِ غنیمت ملتا) ۔" (النساء ۔۔۔ ۱۰)

جیسا کہ تمثیل بالا میں ذکر ہو چکا ہے ، یہ ابن الوقت اس وقت ، تو سراپا ایمان بن جاتے جب احکام ایسے ادر ہے ضرر ہوتے اور ہاتھ سے کچھ کھونے کے بجائے کچھ حاصل ہونے کی توقع ہوتی ۔ لیکن جہاں سخت احکام آتے اور ان کے دنیوی مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تو دامن کترا جاتے ۔ ان کو اس سے بحث نہیں تھی کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا برسرِ حق ہے یا طاغوت کی راہ میں لڑنے والا ۔ انہیں اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ ظلم اور فساد کی بیخ کنی

کرنا اور ارضِ الٰہی میں عدل و صلاح کی تخم ریزی کرنا بھی کوئی انسانی فریضہ ہے وہ معاملات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہی نہ تھے۔ ان کی شریعت کا فتویٰ یہ تھا کہ لڑائی اس حیثیت سے تم پہ فرض ہے کہ اس میں مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے، لیکن اس پہلو سے قطعاً حرام ہے کہ اس میں جان دینی پڑتی ہے یہی بات مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوئی ہے اور اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے :۔

"اگر فوری فائدہ ہوتا اور سفر بھی (دشوار اور صبر آزما ہونے کے بجائے) متوسط قسم کا ہوتا تو یہ منافق ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ لیکن اس وقت (غزوۂ تبوک کے وقت) مسافت انہیں بہت دور معلوم ہوئی (اس لیے وہ چپ سادھ کر بیٹھ رہے) اور (جب تم لوٹنے کے بعد اس تخلف کی وجہ پوچھو گے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا اور ہم مجبور نہ ہوتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے" (توبہ ـ ۶)

مسلمانوں کے ساتھ اور احکامِ قرآنی کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ تھا اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھیے کہ اعدائے اسلام کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی :۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ — اے پیغمبر ان منافقوں کو بشارت دے

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا نِ الَّذِيْنَ	دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یوں
يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ	مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ	بنا لیتے ہیں۔ کیا یہ کافروں کے ہاں عزت
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ - (النساء - ٢٠)	کے طالب ہیں؟

دوسری جگہ آتا ہے کہ مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ معاندین حق سے کسی طرح کا ربط و ضبط رکھے لیکن یہ منافق کیا کرتے ہیں:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ	سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ جن کے
مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ	دلوں میں نفاق کا مرض ہے کفار کے ہاں
(مائدہ - ٨)	بڑی آمد و رفت رکھتے ہیں۔

نیز:-

...... قَالُوْا لِلَّذِيْنَ	جو لوگ خدا کے نازل کیے ہوئے
كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ	قرآن کو ناپسند کرتے ہیں (مثلاً یہود)،
فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ (محمد - ٣)	منافق ان سے کہتے ہیں کہ بعض باتوں میں
	ہم تمہارا ہی کہا مانیں گے۔

اس منافقانہ سازش کی تشریح ذیل کے الفاظ میں ہے:-

يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ	یہ منافق اپنے بھائیوں یعنی کفار
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب سے کہتے ہیں کہ اگر تم (مسلمانوں کے

لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ
وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا
وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ
(حشر-۲)

ہاتھوں اپنے وطن سے نکالے جاؤگے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کا کہا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم (مسلمانوں کے خلاف) تمہاری مدد کریں گے۔

لیکن کیا جو اپنے شہواتِ نفس کی غلامی میں اسیر ہو کر مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑ سکتا تھا کہ مبادا جانِ عزیز کے لالے پڑ جائیں وہ غیر مسلموں کے لیے اتنا وفادار اور ایثار پیشہ ہو سکتا تھا کہ ان کی خاطر گھر بار چھوڑنے اور سر بکف میدانِ جنگ میں اتر آنے پر تیار ہو جائے؟ قرآن ان کے ان دعاوی کو نقل کر کے فوراً ہی حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ:-

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ اگر یہ کتابی جلاوطن کیے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے مسلمانوں نے جنگ کی تو کبھی بھی یہ جھوٹے مدعی ان کی اعانت نہ کریں گے اور بالفرض اگر مدد کے لیے آئیں گے بھی تو (جم کر نہ لڑ سکیں گے، اور موت کی صورت دیکھ کر ایسا بھاگ کھڑے ہوں گے"

غرض جو سلوک ان کا اہلِ ایمان کے ساتھ تھا بعینہٖ وہی اہلِ کفر کے ساتھ بھی تھا۔ یہ در اصل اپنے نفس کے دوست تھے اور اس کی خاطر مسلم و

کافر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے تاکہ موقع پر ہر ایک سے حقِ دوستی
حاصل کریں اور جب کچھ نقصان اٹھانے کا موقع ہو تو اس سے محفوظ رہیں
یہی دو رنگی کا کمال ہے جس میں جہاں تک ان کی تدبیروں کا بس چلتا، کوئی
کسر نہ اٹھا رکھتے۔ ان کی پالیسی کا خلاصہ قرآن کے چند مختصر لفظوں میں
یہ تھا :۔

"یہ منافق تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں اگر تم مسلمان
بحکم خداوندی جیت گئے تو تم سے کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے
ساتھ نہیں تھے (لاؤ ہمیں بھی مالِ غنیمت دو) ۔ اور اگر کافروں کو فتح
نصیب ہوئی تو ان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے
اور ہم نے تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں بچایا؟ (پس جو کچھ لڑائی
میں ملا ہے ہمارا حصّہ بھی لگاؤ) (النساء ۔۔ ۲۰)

اور اس سے بھی زیادہ جامع و مانع ان کی تعریف یہ تھی :۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۔ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

کفر اور ایمان کے بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ مسلمانوں کی طرف ہیں نہ کافروں کی طرف ۔ (النساء ۔ ۲۱)

اور اپنی اسی مذبذب پالیسی کو وہ صلح کل کی پالیسی قرار دے کر دعویٰ
کرتے تھے کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (ہم تو سراپا اصلاح ہیں ۔ اس

دو رخی پالیسی کا نباہنا ان کی طاقتِ لسانی پر موقوف تھا سو قرآن کہتا ہے وہ اس فن کے بڑے ماہر ہیں:۔

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی باتیں نہیں اس وقت دنیا کی زندگی میں بڑی ہی بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ خدا کو گواہ ٹھیرا کر اپنی مخلصانہ اطاعت کا یقین دلایا کرتے ہیں، حالانکہ وہ نہایت ہی جھگڑالو اور بڑی ہی فتنہ پرداز ہیں۔ اور جب تمہارے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اپنی سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلانے کے لیے وقف کر دیتے ہیں . . . . اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو (اور واقعی اطاعت شعار ہو جاؤ) تو جھوٹی عزت کا خیال ان کا دامن پکڑ لیتا ہے اور انہیں مجبور کرتا ہے کہ اپنی غلطی پر اڑے رہیں"۔ (بقرہ ۲۰۵)

دوسری جگہ ہے :۔

"اور جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کے اجسام تمہاری نگاہوں میں کھب جاتے ہیں (یعنی نہایت مہذب اور شریف معلوم ہوتے ہیں) اور اگر وہ تم سے بات کریں تو بس ان کی باتیں سنتے ہی رہو کیونکہ ان کی چرب زبانی مجبوراً لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے)۔

(منافقین - ۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کے اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے دعوے

کو یہ کہہ کر جھٹلا دیا تھا کہ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ کیونکہ مطلب پرستی اور اتباعِ شہوات ہی تو فتنوں کی ماں ہے اور یہ لوگ اسی کنہ کو سمجھنے سے قاصر تھے، اسی طرح یہاں بھی (مذکورہ بالا سورۃ بقرہ والی آیت کے بعد ہی) مطالبہ کیا گیا کہ اگر تم واقعی مومن ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، تو تعلیماتِ اسلامی کے مکمل تابع ہو جاؤ (اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً) اور یہ دورنگی چھوڑ دو۔ خدا کو ان بلند بانگ دعووں اور زبانی شیرین تاویلوں کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے نزدیک تو یہی فساد کا منبع ہے۔ چنانچہ اسی فلسفۂ اصلاح و افساد کے بارے میں منافقوں کی غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ :-

"پھر جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم مذکور ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ تمہاری طرف ایسی دہشت زدہ اور ہراساں نگاہوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (اور اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پتھرا رہی ہوں) ..... تو اے منافقو! تم سے کچھ بعید نہیں کہ اگر تم جہاد سے پیٹھ پھیر کر بیٹھ رہے تو بھی ملک میں فساد برپا کرتے رہو اور حدود فراموشی کی بنا پر باہم لڑ کر اپنے رحمی تعلقات کی دھجیاں اڑاتے رہو۔" (محمد: ۲)

یہاں بھی وہی بات کہی گئی ہے جو سورۃ بقرہ میں ان کے دعوئے اصلاح کے جواب میں کہی گئی تھی کہ یہ نادان جہاد کو تو جو مصالحِ تمدن کا حقیقی محافظ

اور امن و عدل کا سرچشمہ ہے فساد قرار دیتے ہیں اور اپنی دو رنگی پالیسی کو موجبِ امن و آشتی کہتے ہیں، حالانکہ حقیقی فساد تو وہی خود غرضی اور مطلب پرستی ہے جو ان کی روحوں پہ چھائی ہوئی ہے، أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ۔

یہی دو رنگی تھی جس کو ترک کرنے کا قرآن ان سے بار بار مطالبہ کرتا تھا۔ لیکن وہ جس بُت کو اپنے سینوں میں چھپائے تھے اس کی عقیدت کیونکر یہ اجازت دے سکتی تھی کہ کھلے دل سے رسول کی اطاعتِ کاملہ کا عملاً اقرار کرلیں۔ زبانی دعووں کے بعد جب احکامِ الٰہی کی عملی اطاعت کی نوبت آتی اور میزانِ جہاد میں دین و دنیا کی متاعیں تلنے لگتیں تو آپ نے دیکھا کہ کس طرح وہ لپک کر دنیا کو اپنے سینے سے چمٹا لیتے۔ اور جہاد ہی پر کیا موقوف تھا نفع و نقصان کے ہر موقع پر ان کا شیوہ یہی تھا۔ ادعا تو قرآن کی پیروی اور خدا کی عبدیت کا تھا لیکن جب احکام کا معاملہ ہوتا تو دفعتہً یہ رشتۂ ایمانی تارِ عنکبوت کی طرح پرزے پرزے ہو کر اڑ جاتا۔ چنانچہ قرآن ان کے اس اصولِ مسلّمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"اے مسلمانو! کیا تم نے دیکھا اُن لوگوں کو جو دعوٰی کرتے ہیں قرآن پر اور پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا (لیکن) ارادہ یہ رکھتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں، حالانکہ خدا کا حکم یہ تھا کہ

وہ طاغوت سے کفر کریں ...... اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کردہ قانون اور رسول کی طرف رجوع کرو (کہ وہیں سے معاملات کا تصفیہ کرایا جائے) تو تم ان منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تمہارے پاس آنے سے بھی رک جاتے ہیں (کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم سے گئے اور قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا تو ہم گھاٹے میں رہیں گے)۔" (نساء - ۹)

دوسری جگہ اور زیادہ صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ :-

"اور جب ان منافقوں کو دعوت دی جاتی ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق راہ فرار اختیار کرتا ہے (جب کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف پڑنے کا احتمال ہو) البتہ اگر حق ان کی طرف ہو (یعنی فیصلہ ان کے حق میں اور ان کے حسب منشا ہو) تو سر کے بل دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔" (نور - ۶)

نہ صرف احکام کی پیروی سے بھاگتے تھے بلکہ :-

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ (رسول اللہ کی طرف چلیں) تاکہ وہ تمہارے حق میں دعائے مغفرت کریں تو (سنتے ہی نہایت معنی خیز انداز میں) اپنے سر پھیر لیتے ہیں ..... (منافقون - ۱)

اور اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ مغفرت و عدم مغفرت کے فلسفہ

سے انہیں کیا لگاؤ تھا جس کا دین سونے چاندی کا سکہ اور جس کی شریعت خود غرضی ہو وہ اس امر پر غور ہی کیوں کرنے لگا کہ اس دنیوی فلاح و نجات کے ماسوا بھی کوئی شے ہے جس کے حصول کی تمنا کی جائے۔ یہ گمرہ دن پھیر لینا دراصل اسی حقیقت کا ایک مظہر ہے جس کو یہ منافق اپنے شیاطین سے یہ کہہ کر ظاہر کیا کرتے تھے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (ہم تو مذاق کرتے اور ان مسلمانوں کو بیوقوف بناتے ہیں)۔

چونکہ اس قسم کے منافق بڑی تعداد میں موجود تھے اس لیے قرآن نے ان کے حالات بھی پوری تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اب اپنے گرد و پیش نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ اس وقت بھی یہ روح نفاق کسی قالب میں موجود ہے یا نہیں؟ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے آپ کو اپنے "قومی" اخبارات کے دفتروں، اپنی سیاسی انجمنوں، اپنے "ملی" زعمار کے خلوت خانوں اور صاحب بہادر کے شاہی ایوانوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ وہاں آپ کو نظر آئے گا کہ رسول کی کامل اطاعت کو مذہبی جنون کہہ کر کس طرح اس کی تضحیک کی جاتی ہے۔ چند ٹکوں کے عوض مساجد کی حرمتیں کس طرح بیچ دی جاتی ہیں مسلمانوں کے روبرو اپنی اسلامیت کا کیسا دلیرانہ اعلان کیا جاتا ہے اور پھر اپنے دیسی اور بدیسی اولیا کے سامنے کس طرح اسلام اور شعائر اسلامی کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور کس طرح انہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ کا یقین دلایا جاتا ہے۔ اگر

مسلمانوں کا مجمع ہو تو فرمایا جاتا ہے کہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوں پھر سب کچھ۔ لیکن جب غیر مسلموں کے ہاں پیشی ہوتی ہے تو اسی زبان اور اسی حلق سے صدا بلند ہوتی ہے کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں پھر مسلمان۔ غریب مسلمان کا سلام قبول کرنا تو باعثِ ننگ ہے لیکن اعدائے حق سے موالات رکھنا باعث صد افتخار سمجھا جاتا ہے۔ خدا کہتا ہے کہ عزت صرف میرے حضور میں ملتی ہے مگر یہ منافق کافروں کے ہاں عزت تلاش کرنے جاتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیے کہ آج کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پیشانی پر آستانِ فرنگ کا نشانِ سجدہ لگائے بغیر کوئی "باعزت" کہلا سکے؟ آخر یہ وائسرائے بہادر سے ہاتھ ملانے کی تمنا میں عمریں بسر کر دینے والا مسلمان کس سنت پر عمل کر رہا ہے؟ اس کے قلب میں وہ کونسی چیز ہے جو خدا کی باغی حکومت کو جنگ کا خطرہ پیش آنے پر اس سے اعلان کراتی ہے کہ لَئِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔[1] وہ کیا چیز ہے جو مسلمان کو گاندھی اور جواہر لال اور بوس کے آستانوں پر کشاں کشاں لے جاتی ہے اور جب ہندو اخبارات سے اس کو قوم پرستی کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا؟ پھر وہ مسلمان کس قرآن پر ایمان رکھتا ہے جو دن رات قال اللہ و قال الرسول کے ورد میں منہمک ہے لیکن جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اس ظالمانہ اور غیر اسلامی نظامِ حکومت کو الٹ پھینکو تو پوری

---

[1] اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

متانت اور تقدس مآبی کے ساتھ فرما دیتا ہے کہ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ[1]
جب سود کی حلّت کا فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ بالکل جائز
ہے کیوں؟ اس لیے کہ ہندوستان دارالحرب ہے لیکن اگر کوئی اللہ کا
بندہ مطالبہ کر بیٹھے کہ آؤ اسے دارالاسلام بنائیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس
لی جاتی ہیں اور بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ کی حدیث پڑھ کر اسی ہندوستان
کو دارالاسلام یا کم از کم دارالامن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ احکامِ الٰہی کی
پیروی کا یہ حال ہے کہ اگر اپنا فائدہ ہو تب تو قرآن و سنت ہی سب کچھ
ہے لیکن اگر اپنا نقصان ہو تو طاغوتی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے
اسلامی قانونِ وراثت اس لحاظ سے تو نہایت موزون اور عادلانہ ہے کہ اس
کے ماتحت دوسرے کی لڑکی ہمارے گھر مال و جائداد لے کر آئے گی لیکن
اس لحاظ سے قطعاً غیر موزون، نامناسب اور ناقابلِ عمل ہے کہ ہماری لڑکی
ہمارا جمع کیا ہوا مال و اسباب لے کر پرائے گھر چلی جائے گی۔ غرض جدھر
دیکھیے كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا[2]

---

[1] اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہوگی تو ہم تمہارا ساتھ ضرور دیتے۔

[2] ان پر بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چند قدم چل لیتے ہیں اور جب تاریکی چھا
جاتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کا سماں پیش نظر ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ[۱] اور رَأَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا[۲] کی قدیم سنت دہرائی جارہی ہے۔ یُعْجِبُکَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا[۳] کی کمیں گاہیں موجود ہیں اور ان کی آڑ سے خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کے خوفناک بھیڑیے نکل نکل کر پبلک ملت کا خون چوس رہے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو اور آنے والی زندگی کا کچھ تو خیال کرو تو مگر گردنیں اکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ[۴] کا جاہلی نشہ ایک ایک رونگٹے پر چھا جاتا ہے۔

(۶) مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھانے والے | جب مدینہ میں اسلام کو کچھ طاقت اور ثبات حاصل ہو چلا اور غزوات سے مال غنیمت بکثرت آنے لگا تو منافقوں کا ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کے حقوق میں اپنا حصہ لگانے کی غرض سے اظہار اسلام کیا کرتا تھا۔ یہ لوگ بھی اپنے دوسرے ہم مشربوں کی

---

[۱] یہ لوگ اودعائے ایمان کے باوجود) چاہتے ہیں کہ معاملہ کا فیصلہ خدا کی بجائے طاغوت سے کرایا جائے۔

[۲] تم دیکھتے ہو کہ (نقصان کے اندیشہ سے) یہ منافق تمہاری عدالت میں آنے سے رو کتے ہیں۔

[۳] دنیا کی زندگی میں ان کی باتیں تمہارے لیے بہت ہی جاذب توجہ ہیں۔

[۴] جھوٹی عزت کا خیال اسے گناہ پر اصرار کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔

طرح جہاد کی دعوت پر کپکپی کانپ جایا کرتے تھے۔ بلکہ حد سے زیادہ بزدل
تھے اور دشمن کا نام سن کر کانپ جایا کرتے تھے۔ اس سے پہلے جس گروہ
کا ذکر تھا وہ اپنی دو رخی پالیسی کی وجہ سے لڑائی کے موقع پر زیادہ ہراساں
نہیں ہوا کرتا تھا۔ لیکن ان کا معاملہ ہی دوسرا تھا جس کی تفصیل قرآن ان الفاظ
میں بیان کرتا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ تم میں سے ان منافقوں کو خوب جانتا ہے جو لوگوں کو
لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ
(لڑائی کے میدان میں کہاں جان دینے جاتے ہو) ہماری طرف آؤ۔ اور
وہ (خود بھی) لڑائی میں نہیں جاتے مگر تھوڑی دیر کے لیے (تاکہ نام ہو
جائے) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے معاملہ میں بڑے بخیل ہیں (اور
تم سے یا تمہارے مقاصد سے ہمدردی نہیں رکھتے) جب خطرہ کا
موقع آتا ہے تو تم انہیں دیکھتے ہو کہ تمہاری طرف وہ اس طرح شدت
خوف سے ناچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری
ہو۔ پھر جب خطرہ کی گھڑی گذر جاتی ہے تو وہ نہایت چرب زبانی کے
ساتھ آتے ہیں تاکہ مالِ غنیمت میں حصہ پائیں .... (باوجودیکہ
لشکرِ اعداء محاصرہ اٹھا کر واپس جا چکا ہے لیکن اب تک یہ بزدل) یہی
خیال کر رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں ابھی نہیں گئیں۔ اور اگر یہ فوجیں پھر

آموجود ہوں تو (پھران پر وہی دہشت طاری ہونے لگے اور) تمنا کریں کہ
اے کاش ہم (موقع جنگ سے دور) کہیں دیہات میں نکل جائیں اور وہیں
سے بیٹھے تمہاری خبر معلوم کیا کریں۔ (احزاب ـ ۲)

اس تفصیل سے اندر ان منافقین کی پوری نشو و نما موجود ہے۔ گو یہ گروہ
گروہ سابق کی طرح دو طرفہ فوائد حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا لیکن
تھا یہ بھی دنیا ہی کا پرستار اور اس کا نصب العین بھی مال کا حصول ہی تھا۔
اسی غرض سے وہ مسلمانوں میں شامل تھا۔ اور جب کبھی ایسا موقع آتا کہ ان
کا دامن آز صدقات یا غنیمت کے دیناروں سے نہ بھرتا تو یہ لوگ بہتان
تراشیوں پر اتر آتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے :-

"اور ان منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے
میں تم پر (ناانصافی اور جانب داری کے) اشارے کرتے ہیں۔ پھر اگر ان
میں سے حسب خواہش انہیں دیا جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ان
کی خواہش کے موجب حصہ نہ ملا تو بگڑ بیٹھتے ہیں" (توبہ ـ ۷)

اسی طرح جب مسلح دشمنوں کا سامنا ہوتا تو یہ اپنی خلوت گاہوں میں جا
چھپتے۔ اور جب لڑائی کی مشقیں محض غنائم لوٹنے تک ہی محدود رہتیں
اس وقت یہ شیر بن کر گرجتے ہوئے گھروں سے نکل آتے لیکن اللہ تعالےٰ
نے صاف حکم دیدیا کہ ایسے بے ایمانوں کو ہرگز ساتھ نہ لے جاؤ جو کل مصیبت

کی گھڑیوں میں عافیت کے گوشوں کے اندر چھپے بیٹھے تھے اور اب ایمان کی تلوار بنے میدانِ جنگ کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ صرف اس توقع پر کہ اس وقت ہاتھ سے دینا کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے لینا ہی ہے ۔ چنانچہ سفرِ حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے متعلق غزوۂ خیبر کے قریب وحیِ الٰہی آتی ہے کہ :۔

"جو لوگ (سفرِ حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے جب تم (خیبر کی) غنائم حاصل کرنے جاؤ گے تو وہ تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو ۔ اس سے اُن کی خواہش یہ ہے کہ حکمِ الٰہی کو بدل دیں (یعنی خدا حکم صادر کر چکا ہے کہ جو لوگ سفرِ حدیبیہ میں تمہارے ساتھ نہیں گئے تھے وہ غنائمِ خیبر سے کوئی حصہ نہیں پا سکتے اور یہ لوگ جہاد کرنے کے بہانے سے ساتھ جانا اور حصہ لینا چاہتے ہیں) سو اے پیغمبر ان سے صاف صاف کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے ۔ اللہ کا یہ پہلے ہی سے فیصلہ ہے "

لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی طبیعت پر کس قدر شاق تھی ۔ وہ ایسے تر لقمہ کو منہ سے چھنتے ہوئے دیکھ کر بھلا کیونکہ صبر کر سکتے تھے چنانچہ قبل اس کے کہ عملاً یہ معاملہ درپیش ہو، اللہ عالم الغیب نے خود ہی کھول کر بتا دیا کہ اس وقت یہ لوگ کیا کہیں گے :۔

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا۔ (فتح - ۲) (پس عنقریب یہ منافق کہیں گے (کہ خدا کا حکم تو ایسا نہیں ہے) البتہ تم لوگ حسد رکھتے ہو (کہ غزوہ میں جائیں گے تو ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں گے)

غور فرمائیے کہ گھوم پھر کر پھر یاران کی نگاہ کس طرح اپنے اسی واحد نصب العین پر جا کر جمتی ہے شکایت یہ نہیں ہے کہ تم ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب سے روک رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ مال و متاع دنیا کی تحصیل میں ہمارے مزاحم کیوں ہو رہے ہو۔ اور جب یہ ان کا نقطۂ نظر تھا تو ظاہر ہے کہ وہ سفر جہاد میں اپنے شریک نہ کیے جانے کی اس کے سوا کوئی دوسری وجہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ مسلمان ان سے حسد رکھتے ہیں۔

ایسے منافقین کی آج اس دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے حقوق مسلمین کا شور مچانے والے مجاہدین کو کھرچ کر دیکھیے تو اندر سے کتنے ہی ایسے نکلیں گے جن کا ضمیر خود غرضیوں کی غلاظت سے اٹ رہا ہو گا۔ گھر کی چہار دیواریوں سے کان لگا کر سنیے تو اسلامی معتقدات، اسلامی نظریات، اسلامی روایات، اسلامی شعائر، اور اسلامی عبادات کا مضحکہ اڑاتے نظر آئیں گے۔ لیکن جیسے ہی قدم باہر نکلنے کو ہوا، اسلام کا نقاب اٹھا کر سر سے پیر تک اوڑھ لیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ محض اسی طرح مسلمانوں کے نام سے متعلق ملازمت میں حصہ مل سکے گا اور اگر آج اس نقاب کو نوچ پھینکیں گے تو اسلام اور مسلمان کے نام پر

"صدقہ" خداوندانِ فرنگ کی طرف سے ملتا ہے اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ رہے گا۔ پھر ملازمت ہی پر کیا منحصر ہے، سیاسیاتِ اسلامی کی علمبرداری بلکہ اسلام کی دینی امامت تک اسی ترکیب سے حاصل کی جا رہی ہے۔ چونکہ دنیا نے جاہ و منصب کے یہی معیار قائم کر رکھے ہیں اس لیے یہ لوگ ان پر پورے اُترنے کی سعی میں ہر دم کوشاں رہتے ہیں۔ اس وقت عملاً یہی لوگ دنیا میں اسلام کے ترجمان اور نمائندے بنے ہوئے ہیں اور یہ انہی کی ترجمانی کا کرشمہ ہے کہ "اسلامی مفاد" اب دوسرا نام ہو گیا ہے مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حقوق کا۔ جب کوئی اسلام کا حقیقی اور دردمند مخلص ترجمان اس گرم بازاریِ نفاق کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے اور اسلام کی واقعی ضروریات کو سامنے لاتا ہے تو یہ لوگ اس پر کینہ توزی اور حسد پروری کا الزام لگا کر اس کی زبان بندی کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، اور خود بدستور اسلام کے نام پر اپنی اغراض کے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب کبھی انہی نام نہاد "حقوق" کے لیے تھوڑی بہت قربانیاں دینے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو آغازِ سرما کے بادلوں کی طرح چھٹ جاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ کاش ہم اس وقت لندن کے ہوٹلوں میں ہوتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ہندوستانی آگ و خون کی ہولی کا نظارہ اخبار کے صفحات پر کیا کرتے۔

(۷) جھوٹی شہرت کے حریص: بعض منافق ایسے بھی تھے جو مفت کی شہرت اور تعریف کے لالچ میں جمعیتِ اسلامی کی رکنیت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا ظہور غالباً اس وقت ہوا ہے جب اسلامی شوکت عرب کے افقِ سیاست پر غالب ہوتی جا رہی تھی اور مسلمان اپنی جاں فروشیوں کی بدولت اپنی تاریخ میں شاندار اور معجز نما کارناموں کا اضافہ کرتے جا رہے تھے۔ اس وقت جس طرح بہتوں نے روپیہ پیسہ کے لالچ میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے میں مصلحت دیکھی اسی طرح بعض نے پانچوں سواروں میں نام لکھانا اپنا مطمحِ نظر قرار دے لیا تھا لیکن کسی طرح کی قربانی نہ دینا بہرحال ان کے یہاں بھی ایک طے شدہ چیز تھی۔ وہ محض دوسروں کا خون لگا کر ہی شہید بننا چاہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کی یہ وعید ظاہر بتا رہی ہے:۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ
يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ
أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا
تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے
ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں
کیے ان پر ان کی تعریف ہو، ایسے لوگوں کے
بارے میں تم ہرگز یہ مت خیال کرنا کہ وہ عذاب
کی زد سے باہر ہیں۔ بلکہ ان کے لیے دردناک
عذاب ہے۔

ان پیش رووں کے متبعین سے آج بھی ہماری جماعت خالی نہیں ہے

خصوصاً ہمارے سیاسی پلیٹ فارم پر تو جھوٹی شہرت کے ایسے دلدادوں کی اتنی کمی نہیں۔ پھولوں کے ہار اور زندہ باد کے نعروں کی چاٹ نے لیڈروں کا ایک لشکر کا لشکر تیار کر دیا ہے جو قومی اجتماعوں میں اسلام اور قرآن کا نعرہ اتنے زور سے لگاتے ہیں کہ پوری قوم کا نہاں خانہ عقیدت اس کے شور سے گونج اٹھتا ہے لیکن جس وقت زندہ باد کے نعروں کے بجائے دشمنانِ اسلام کی قہر آلود اور خشمگیں صدائیں کانوں میں آنے لگتی ہیں تو یہ بندگانِ لذت گھر کی سب سے محفوظ کوٹھریوں میں جا گھستے ہیں۔ پھر جب عامۃ المسلمین کی پامردیوں کے طفیل میدان کا کوئی گوشہ فتح ہوتا ہے تو پھر یہ لوگ اپنے پُر سیاسی جلالی روپ میں نمایاں ہوتے ہیں اور مختلف حیلوں سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس فتح کا سہرا ہمارے ہی سر بندھے، اور ہر زبان ہمیں مجاہدِ قوم اور شہیدِ ملت کے مقدس ناموں سے یاد کرے۔

(۸) دین و شریعت کا مذاق اڑانے والے | منافقین میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو دینی احکام و مناسک کا مذاق اڑاتے، اسلامی عبادات کا استہزا کرتے اور خود مسلمانوں کے اوضاع و اطوار اور ان کے اعمال و کردار پر پھبتیاں کستے تھے مثلاً ایک گروہ کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ:۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ نماز کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں

وَّلَعِبًا ۔ (مائدہ — ۹) (اور اس کا تمسخر کرتے ہیں)

اور یہ گروہ تھا کون؟ عام کفار اور اہل کتاب نہیں بلکہ وہ کفار اور اہل کتاب جو ایمان کے مدعی تھے۔ چنانچہ آگے چل کر قرآن ان کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۔ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۔ (مائدہ — ۹)

اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں حالانکہ کفر لے کے آئے تھے اور کفر ہی لے کر گئے۔

ان کا تمسخر صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ خدا کا ہر حکم، رسول کا ہر اقدام اور قرآن کی ہر آیت ان کے لیے دل لگی کا سامان بنی ہوتی تھی۔ البتہ وہ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ ان کی ان حرکات کا راز عامۂ مسلمین پہ واشگاف نہ ہوا کرے کیونکہ انہیں جماعتی احتساب کا خوف تھا۔ اور اگر کبھی ان کی یہ شرارتیں منظرِ عام پہ آ جاتیں اور ان سے پوچھ گچھ ہوتی تو کہتے کہ زندگی سنجیدہ محفل تھوڑا ہی تھی۔ یہ باتیں تو ہم یونہی ہنسی میں کہہ رہے تھے ہمارے خلوص اطاعت اور رسوخِ ایمان پہ ذرا شبہ نہ کرو۔ سورۂ توبہ میں ان منافقوں کے اس وتیرہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے:۔

"مسلمانو! یہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ لوگ ـــــ اگر

یہ واقعی مومن ہیں ـــــــ تو اُن کو (اپنی مخاصانہ اطاعت سے) راضی
کریں ۔ ۔ ۔ ۔ منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان (مسلمانوں)
پر کوئی ایسی سورۃ نازل نہ ہو جائے جو انہیں ہمارے دلوں کی باتیں بتا دے
(اے پیغمبر! ان منافقوں) سے کہہ دو کہ (اچھا دینِ الٰہی کے ساتھ) استہزاء
کر لو جس بات کا تمہیں ڈر ہے اللہ ضرور اُسے ظاہر کر کے رہے گا ۔ اور اگر
تم ان لوگوں سے دریافت کرو (کہ یہ تم کیسی حرکتیں کرتے ہو) تو وہ ضرور یہی
جواب دیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور ہنسی مذاق کر رہے تھے ۔ اے
پیغمبر (ان نامراد شریروں سے) کہہ دو کہ کیا تم ہنسی مذاق کرتے ہو اللہ کے
ساتھ! اس کی آیات کے ساتھ! اور اس کے رسول کے ساتھ ۔ (توبہ ۸۰)

یہ منافق زیادہ تر قرآن کی اُن آیات کا مذاق اُڑاتے تھے جن میں اللہ تعالیٰ
اپنے اسرارِ غیب بیان کرتا ہے جن کی کنہ تک انسانی دماغ کسی طرح نہیں
پہنچ سکتا ۔ یعنی وہ آیات جنہیں قرآن نے اپنی اصطلاح میں "متشابہات" سے
تعبیر کیا ہے اور جن کے متعلق اس کا ارشاد ہے کہ وہ آزمائش کے لیے اُتاری
گئی ہیں تاکہ جن کے دلوں میں عقلِ سلیم اور ایمان کا جوہر موجود ہے وہ بغیر کسی دلیل و
حجت کے سرِ تسلیم جھکا دیں ، اور جن کے اندر جاہلیت اور کفر و نفاق کی بیماری
ہے وہ یا تو اپنے اوہام اور رجحانات کے مطابق اس کی تاویلیں کرنے لگیں ، یا
پھر پکار اٹھیں کہ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِهٰذَا مَثَلًا (یعنی ان باتوں سے اللہ تعالیٰ

کا مطلب آخر کیا ہے ؟) چنانچہ سورۂ مدثر میں جہنم کی تصویر کھینچتے ہوئے، یہ بیان کرنے کے بعد کہ اس پر انیس ملائکہ عذاب تعینات ہیں، اللہ تعالیٰ اس انیس کی تعداد کی تعیین کو ایک "فتنہ" قرار دیتا ہے اور اس کی مصلحت یہ بھی بتاتا ہے کہ مومنین خالصین کے لیے تو یہ چیز ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگی لیکن جو کافر اور منافق ہیں ان کے دل کی بیماری کا حال کھل جائے گا۔

"اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور جو کھلے منکر حق
ہیں، بول اٹھیں کہ ایسی بات کے بیان کرنے سے خدا کی غرض کیا ہے ؟"
(تو کوئی معقول بات معلوم نہیں ہوتی) (مدثر۔ رکوع ۱)

اللہ، رسول اور قرآن کے بعد اب عام مسلمانوں کے ساتھ ان کے استہزاء کی داستان سنیے:۔

"یہی لوگ (یعنی یہی منافق) ہیں جو کھلے دل سے خیرات کرنے والے
مسلمانوں پر تو انگلیاں اٹھاتے ہیں (یعنی ان پر ریاکاری کا الزام لگاتے
ہیں) اور جو غریب مسلمان اپنی گاڑھی محنت (کی کمائی) کے سوا اور کوئی
مقدرت نہیں رکھتے ان کا یہ مذاق اڑاتے ہیں" (توبہ۔ ۱۰)

چشمِ عبرت آج کیا دیکھ رہی ہے ؟ ہمارے "تعلیم یافتہ" اور "روشنی" کے دلدادہ حضرات کا طرزِ عمل کیا کہہ رہا ہے ؟ اگر کتابِ الٰہی کا یہ ریمارک غلط نہیں ہے، جیسے ابھی بیان کیا جا چکا ہے، تو ان مسلمانوں کے

متعلق کیا تصور کیا جائے گا جن کی "آزاد خیالی" Free-thinking اور عقلیت Rationalism کی ابتدا ہی اذان اور نماز کے تمسخر سے ہوتی ہے، جن کے ذوقِ تجدد کی تسکین اسلامی سیرت و صورت پر پھبتیاں کسنے ہی پر منحصر ہے، جو قرآنی آیات کے ساتھ کھلے بندوں تمسخر کرتے ہیں، جو اپنی عقلیت کے زعم میں جن، شیطان، ملائکہ اور دوسری غیر مرئی چیزوں کی ہستی تسلیم کرنے کو وہم پرستی اور توہینِ عقل قرار دیتے ہیں، جو قرآن کی بیان کی ہوئی جنت اور دوزخ کی تفصیلات پر مذاحیہ مقالے لکھتے ہیں اور جو غیب کے حقائق مجردہ کو قرآنی تصریحات کی روشنی میں دیکھ کر چلا اٹھتے ہیں کہ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا؟ اگر نزولِ قرآن کے وقت اس قسم کا تمسخر کرنے والے "مسلمانوں" کو منافق کہا گیا تھا تو آج جو نام نہاد "مسلمان" وہی حرکات کر رہے ہیں انہیں کیوں نہ منافق کہا جائے؟

(۹) مسلمانوں کے ڈر سے اظہارِ ایمان کرنے والے اب تک منافقین کے جن گروہوں کا ذکر تھا وہ سب کے سب یا تو کسی مادی منفعت کی خاطر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یا اسلام اور مسلمانوں کی درپردہ بیخ کنی کرنے کے لیے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جاتے تھے۔ لیکن ایک گروہ ایسے منافقوں کا بھی تھا جو اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مسلمانوں کی روز افزوں طاقت و شوکت سے مرعوب ہو کر مجبوراً اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے جیسا کہ قرآن شہادت دے رہا ہے:-

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (توبہ - ۷)

اور یہ (منافق) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یہ تم ہیں سے ہیں (یعنی تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں) حالانکہ یہ تم میں سے (ہرگز) نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو ڈرنے والے لوگ ہیں۔

یعنی جو چیز اندر سے اسلامیت کا اعلان کرا رہی ہے وہ کوئی یقین اور ایمان کا جذبہ نہیں ہے بلکہ ان کی وہ بزدلی ہے جو انہیں دہشت زدہ کر کے مجبور کر رہی ہے کہ اپنے ایمان کا اور اسلامی ملّت کی پیروی کا جھوٹا مظاہرہ کریں۔ کیونکہ انہیں خوف ہے کہ اسلامی شوکت کا یہ امڈتا ہوا سیل بے پناہ جو تمام منکرین اسلام کو بے دست و پا کیے دے رہا ہے ایک دن انہیں بھی اپنی زد میں لے لے گا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کبھی انہیں مسلمانوں کی طاقت و گرفت سے نکلنے کی کوئی صورت نظر آتی، فوراً وہ اسلامیت کا نمائشی جوا گردن سے اتار پھینکتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات کے بعد ہی آتا ہے کہ:-

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (توبہ - ۷)

(ان بزدل منافقوں کا جو زبان سے ایمان ایمان چلاتے ہیں حال یہ ہے کہ) اگر کوئی جائے پناہ پا جائیں یا (چھپ رہنے کے قابل) غار، یا گھس بیٹھنے کی کوئی اور جگہ، تو سرکشانہ اس کی طرف دوڑ پڑیں۔

پس یہ اسلام جس کا یہ بدکیش منافق اظہار کیا کرتے تھے غرض اور

مجبوری کا اسلام تھا، اعترافِ حق اور شرحِ صدر کا اسلام ہرگز نہ تھا۔ قرآنِ حکیم ایک جگہ اور زیادہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا	"بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں
قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا	پیغمبر ان سے کہہ دو کہ تم ہرگز مومن نہیں ہو۔
اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ	بلکہ یہ کہو کہ ہم "مسلمان" ہو گئے (یعنی بظاہر
فِيْ قُلُوْبِكُمْ (حجرات - ۲)	مطیع ہو گئے ہیں) اور ایمان کا تو ابھی تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا۔

گویا ان کے ایمان کی بنا اور علت ان کی بزدلی تھی۔ دل تو صداقتِ قرآنی کے منکر تھے لیکن طاقت کے خوف سے زبان اس کی صداقت کا بار بار اقرار کرتی رہتی تھی۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ خود مسلمانوں کی اپنی حالت بھی کچھ زیادہ محفوظ اور قابلِ اطمینان نہ تھی۔ وہ ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ کفار و مشرکین سے پیہم کشمکش جاری تھی جس میں کبھی مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہوتا تھا اور کبھی دشمنوں کا۔ اس وقت یہ بزدل منافق عجیب گومگو کی حالت میں تھے۔ مسلمانوں میں شریک ہوتے تو دشمنانِ اسلام کا خوف انہیں کھائے جاتا تھا اور کفار سے جا ملنے کا ارادہ کرتے تو مسلمانوں کی طاقت سے دم نکلا جاتا تھا۔ ان کے اس اضطراب کی پوری تصویر قرآن نے چار لفظوں میں کھینچ کر رکھ دی ہے:۔

وَيَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ (منافقون - ۱)

اور یہ منافق ہر زور کی آواز پر چونک پڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں پر کوئی آفت آرہی ہے۔

ان نمائشی مسلمانوں کے جھوٹے ادعائے اسلام کا راز ایک اور صورت سے بھی فاش ہو اکرتا تھا اور وہ یہ تھی کہ یہ مسلمانوں پر اور پیغمبر صلعم پر احسان رکھتے تھے کہ ہم نے مسلمان ہو کر تمہاری جماعت کو تقویت دی ہے اور تمہاری تعداد بڑھا دی ہے۔ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا (حجرات - ۲) یعنی "یہ منافق تم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں" حالانکہ اگر یہ واقعی مسلمان اور نعمت ایمانی کے قدر شناس ہوتے تو خود رسول کے احسان مند ہوتے۔

چونکہ یہ لوگ محض اسلامی سطوت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنے اوپر مسلمانیت کا لبادہ سالوسی ڈالے ہوئے تھے اس لیے اندر اندر یہ مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے۔ ان کی خوشحالی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی۔ انہیں مسلسل غلبہ اور تمکن حاصل ہوتے دیکھ کر ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹنے لگتے۔ اور یہ دن رات اس تمنا میں رہتے کہ انقلاب روزگار کا کوئی جھونکا آئے اور ان مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے تاکہ ہم ان کی قاہرانہ گرفت کے خطرات سے بے خوف ہو کر آزادی کا سانس لے سکیں۔ قرآن میں ان منافقوں کی اس دشمنانہ عداوت کا کئی جگہ ذکر ہے۔ سورۂ آل عمران

میں ہے :-

"جب یہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو (تمہاری ترقی اور بہتری پر) مارے جلن کے دانتوں سے انگلیاں کاٹتے ہیں .... اگر تمہارا بھلا ہوتا ہے تو انہیں رنج پہنچتا ہے اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو اُن کے دل کو خوشی ہوتی ہے (رکوع ۱۲)

دوسری جگہ آتا ہے :-

"اگر تمہیں کوئی بھلائی نصیب ہوتی ہے تو ان (منافقوں) کو جلن ہوتی ہے اور اگر تم (کبھی) مبتلائے مصیبت ہوتے ہو تو (کوئی ہمدردی تو خاک نہیں ہوتی بلکہ اُلٹا یہ) کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا معاملہ (ٹھیک ٹھاک) کر لیا تھا۔ (یعنی ہم نے پہلے ہی سے احتیاط کر رکھی تھی۔ پھر یہ خود غرضانہ بات کہہ کر) اُٹھتے ہیں اور خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں .... اے پیغمبر! (ان کور بصیروں سے) کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک کا تو انتظار کرتے ہی ہو .... الخ۔ (توبہ - ۷)

"دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک کا انتظار کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ منافق ہمیشہ اس انتظار میں رہا کرتے تھے کہ دیکھیں مسلمان لڑائیوں میں

فتح یاب ہوتے ہیں یا شکست کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ ان منافقوں کو سمجھا دو کہ ہمارے لیے تو فتح میں بھی بھلائی ہے اور شکست میں بھی کسی صورت میں بھی ہم فلاح و سعادت سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اگر مارے گئے تو شہادت کی ابدی زندگی نصیب ہوگی جو خوش بختی کی آخری معراج ہے۔ اگر مظفر و منصور لوٹے تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے جس کے آگے شرف و مجد کا کوئی مقام نہیں۔ پھر ہمیں غم کا ہے کا۔ تم ہمارے حق میں جس چیز کی بھی تمنا رکھو وہی ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ غم ہو تو تمہیں ہو کہ تمہارے لیے ہر طرف ہلاکت اور بدبختی کی آگ تیار ہے وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا۔ (توبہ – ۷)

انتظار کرتے کو تو یہ ارباب نفاق مسلمانوں کے حق میں فتح و شکست دونوں ہی کا کرتے تھے کہ دیکھیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے لیکن کفر کا ظاہری کر و فر دیکھ کر انہیں گمان غالب یہی ہوتا تھا کہ مسلمان ہی لڑائی میں ہاریں گے اور اسی خوف سے کہ مبادا اس ہار کے تلخ نتائج ہمیں بھی بھگتنے پڑیں وہ مختلف حیلوں بہانوں سے جہاد کی منادی سن کر گھر بیٹھ رہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے پیغمبر! (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ جانے والے بدوی (اب جبکہ تم زندہ و سلامت واپس آ گئے ہو) تم سے کہیں گے کہ (افسوس کہ ہم لوجہ

مجبوری نہ جاسکے) ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے اہل وعیال نے پھنسا
رکھا تھا۔ سو ہمارے لیے خدا کے حضور میں مغفرت کی دعا فرمایئے۔ یہ لوگ
اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو درحقیقت ان کے دلوں میں نہیں ہیں
(ان نابکاروں سے) کہہ دو کہ (غلط کہتے ہو) بلکہ (تم مارے ....
ڈر کے پیچھے رہے) تمہارا گمان تھا کہ پیغمبر اور مسلمان ضرور اس لڑائی میں
ہلاک ہو جائیں گے اور اپنے اہل وعیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آنے کے... الخ (فتح)

قرآن کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ مسلمانوں
کے متعلق یہ ظن رکھتے تھے بلکہ دل میں دعائیں کرتے تھے کہ کسی طرح یہ میدان
جنگ میں کھیت ہو رہیں اور ہمارے سر سے بلا ٹلے۔ سورۂ توبہ میں ہے:۔

"اور اکثر دیہاتی ایسے ہیں جو (اگرچہ زبان سے قرآن کی صداقت
پر بظاہر ایمان لا چکے ہیں لیکن) راہِ خدا میں خرچ کرنے کو مفت کا تاوان
سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے حق میں آسمانی گردشوں کے منتظر ہیں (کہ
کاش کسی آفت میں پھنس کر تم ہلاک و برباد ہو جاؤ)" (رکوع ۱۲)

اس غرض کے لیے وہ اپنی جانی و مالی قربانیوں سے دریغ کرنے کے
ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی روکتے تھے تاکہ امداد کے تمام دروازے بند
ہو جائیں اور ہر طرح سے ان مسلمانوں کو کمزور اور بے یار و مددگار کر دیا جائے
سورۂ منافقون میں ہے:۔

"یہی لوگ (یعنی یہی منافق) تو ہیں جو لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ رسول خدا کے ساتھیوں پر کچھ مت خرچ کرو کہ آخر کار اس طرح افلاس سے تنگ ہوکر خود ہی) اِدھر اُدھر منتشر ہو جائیں گے۔" (رکوع - ۱)

اسی طرح جانی قربانیوں سے بھی یہ لوگوں کو باز رکھتے تھے بلکہ بعض اوقات تو شروع میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر میدانِ جہاد میں جاتے اور جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تو آہستہ سے خود بھی پیچھے کھسک جاتے اور دوسروں کو بھی بھاگ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں چھوٹ جائیں اور دشمن کے حوصلے بڑھ کر انہیں فنا کے گھاٹ اُتار دیں۔ غزوہ احزاب میں اس شیطنت کا پورا پورا مظاہرہ ہوا تھا جس کا ذکر قرآن ان لفظوں میں کرتا ہے :-

"اور (اے مسلمانو! یاد کرو) اس وقت کو جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک اور تذبذب کا) مرض تھا کہنے لگے کہ خدا اور رسول نے جو ہم سے (فتح و نصرت) کا وعدہ کیا تھا وہ نرا دھوکا ہی دھوکا تھا۔ اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہلِ یثرب! (اب دشمن کے مقابلہ میں) تمہارے لیے ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں لہٰذا تم میدان چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔ اور ان میں سے کچھ لوگ پیغمبر سے گھر لوٹ جانے کی) اجازت مانگنے لگے یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر غیر محفوظ پڑے ہیں حالانکہ

وہ گھر غیر محفوظ نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد صرف جان چھڑا کر بھاگنا تھا . . . .
. . . . (اے مسلمانو!) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان (منافقوں) کو اچھی طرح
جانتا ہے جو لڑائی میں شریک ہونے سے (خود رُکنے کے علاوہ دوسروں
کو بھی) روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ (لڑائی میں کہاں
جان دینے جاتے ہو) آؤ ہماری طرف (امن اور بے خوفی کی زندگی گذارو)

(احزاب - ۲)

دوسرے مقام پر ہے :-

"جو لوگ (اپنے اصرار کی وجہ سے لڑائی سے) پیچھے چھوڑ دیے گئے
وہ لوگ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف لڑائی سے بیٹھ رہنے پر بہت خوش
ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنے کو
انہوں نے گراں محسوس کیا اور دوسروں سے بھی کہنے لگے کہ (ایسی بے پناہ)
گرمی میں گھر سے نہ نکلنا!" (توبہ - ۱)

غرض اشتقیائے ازلی کا یہ بے ضمیر اور بزدل گروہ اسلام اور مسلمانوں
کی بیخ کنی میں اپنی کسی تدبیر کے استعمال سے دریغ نہ کرتا تھا لیکن چونکہ جرأت
سے یکسر بے بہرہ تھا اس لیے اپنے دل کے اصلی رجحانات کی پردہ پوشی میں
بڑی احتیاط اور تن دہی سے کام لیتا تھا۔ ہاں اللہ عالم الغیب کی رازافشائیوں
کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا اور ہر لمحہ اسے اس امر کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ

کہیں کوئی ایسی سورہ نہ نازل ہو جائے جو ہمارے باطن کو عام مسلمانوں کے سامنے کھول کر رکھ دے ۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (توبہ - ۷) کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس نفاق اور سازش کے خوفناک عواقب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور یہی وہ مصیبت عظمیٰ تھی جس کے لیے مکر و فریب کے انہوں نے اتنے نقاب تیار کر رکھے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ سابقہ انسانی نگاہ اور بشری فہم و فراست سے نہ تھا کہ وہ اپنی تمناؤں اور کوششوں میں کامیاب رہتے بلکہ معاملہ تھا اس علیم سے جو انسانی دوربینیوں اور عیاریوں کے مقابلہ میں عالم الغیب والشہادۃ اور بشری مکاریوں اور کید آرائیوں کے مقابلے میں خیر الماکرین تھا۔ اس نے ہر موقع پہ ان کی شرارتوں کو طشت از بام کیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ :-

"کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اس خیال میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی کینوں کو کبھی نہ ظاہر کرے گا؟ اے پیغمبر اگر ہم چاہتے تو تمہارے سامنے ان لوگوں کو اس طرح کھول دیتے کہ تم ان کی پیشانی دیکھ کر انہیں پہچان لیتے۔ اور (یوں بھی) تم ان کے انداز گفتگو سے تو انہیں پہچان ہی لیتے ہو" (محمد - ۴)

منافقین کی یہ قسم غالباً اس وقت نہیں پائی جاتی، اور اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ اسلام کا سیاسی اقتدار اور مسلمانوں کا شاہانہ دبدبہ و جلال تو اب افسانہ بن کر رہ گیا ہے جس کا ذکر تاریخ کے پرانے صفحوں سے باہر کہیں موجود ہی نہیں کہ

خلافتِ الٰہی کے باغی اس کا خوف کھائیں اور اس قسم کی منافقانہ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اور اگر کہیں اس عمومی دورِ شکست و ریخت میں چشمِ فلک یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ مسلمانوں کی کوئی حکومت قائم ہے بھی تو اس کے نزدیک دینی تصورات اور معتقدات چنداں قابلِ اعتنا نہیں ہیں، بلکہ ان کی جگہ اب وطنی یا نسلی یا لسانی تعصبات نے لے لی ہے۔ پھر اس حکومت کے زیرِ اقتدار کسی شخص کو بربنائے مذہبیت نفاق اختیار کرنے کی حاجت ہی کیا ہے؟

(۱۰) ضعفاء | اب تک جن جن اقسام کے منافقین کا ذکر ہوا، وہ تو سب کے سب ایمان کی نعمت سے بالکل بے بہرہ تھے اور ہر ایک کو کسی نہ کسی غرض اور مصلحت نے ایمان کا محض خارجی اظہار کرنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو منافقین کی مذکورہ بالا اقسام کی طرح ایمان سے بالکل خالی نہ تھے، بلکہ کفر کی بہ نسبت ایمان سے قریب تر تھے لیکن چونکہ انہیں شرحِ صدر کی توفیق حاصل نہ تھی اور کڑی آزمائشوں کے وقت وہ اس عزم و ثبات سے عاری ثابت ہوتے تھے جو ایک حقیقی مسلمان میں ہونا چاہیے، اس لیے ہم تذکرہ منافقین کے ضمن میں اس گروہ کے حالات اور اوصاف بھی روشنی میں لاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ "مسلم" کا خطاب صرف انہیں کو دیتا ہے جو ایک ہاتھ پر نقدِ جان اور دوسرے پر نقدِ مال لیے اس کی طلبِ رضا میں ہر وقت نکلنے کو تیار ہوں۔ ضعیف القلب اور عزیمت ناآشنا لوگوں کو اللہ اپنا مطیع اور فرمانبردار (مسلم) کہنا پسند نہیں کرتا بلکہ

بعض اوقات تو انہیں اس نے صاف لفظوں میں منافق کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ضعفاء کی شان میں قرآن کہتا ہے:۔

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب انہیں راہِ خدا میں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انسانوں کی دی ہوئی تکلیف کو عذابِ الٰہی (کے مانند ناقابلِ برداشت) تصور کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی مدد آجائے تو یہی لوگ کہنے لگیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے۔ کیا اللہ دنیا جہان کے لوگوں کے (اسرارِ) قلوب سے واقف نہیں؟ اور (وہ تمہیں آزمائشوں میں ضرور ڈالے گا) تاکہ جان لے (یعنی دنیا پر ظاہر کر دے) کہ کون (واقعی) صاحبِ ایمان ہے اور کون منافق ہے[1]"

(عنکبوت - ۱)

---

[1] واضح رہے کہ یہ آیات سورۂ عنکبوت کی ہیں جو اس وقت نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کا قافلہ ستم کدۂ مکہ ہی میں جا گزیں تھا اور دشمنانِ الٰہی کے نت نئے مظالم کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ مظلومیت میں ایسے منافقین کا ظہور کہاں سے ہو سکتا تھا جو کسی تحفظ اور مصلحت کی بنا پر اظہارِ ایمان کرتے۔ اس وقت تو اسلام سیاسی اور سماجی ہر حیثیت سے مظلوم و مقہور تھا۔ اس کا نام لینا ہی ہر طرح کی اذیتوں کو دعوت دینا تھا۔ لہٰذا یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہاں ان منافقوں کا ذکر مقصود ہو جن کی اقسام اور صفات کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یہ درحقیقت اُن کمزور (باقی برصفحہ)

یہاں جس آزمائش کی طرف اشارہ ہے وہ ہجرت کی آزمائش ہے جو چند دنوں بعد ہی مسلمانوں کو پیش آئی۔ یہ آزمائش بھی جان اور مال کی قربانیوں کی طرح نہایت ہی سخت ہے جس میں اچھے اچھوں کی ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب ہجرت کا صریح حکم آگیا تو کمزور ایمان والوں کے قدم پھسل گئے اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہ لوگ اگرچہ خدا کو ایک مانتے تھے، رسول کو برحق مانتے تھے، قرآن کی تلاوت بھی کرتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے اور اس لحاظ سے ملت اسلامیہ ہی میں شامل تھے، مگر چونکہ ان کا ایمان ایسا نہ تھا۔ کہ خدا کی محبت پر اپنے گھر بار اور اہل وعیال اور مال و وطن کی محبت کو قربان کر دیتے اور اسلام سے ان کا تعلق ایسا مضبوط نہ تھا کہ جس وطن میں ان کو مسلمانہ زندگی بسر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اُسے چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور اس سر جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاتے جہاں مسلمانہ زندگی بسر کر سکیں، اس لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰) مسلمانوں کا ذکر ہے اور انہیں کو تغلیظاً منافق کہا گیا ہے۔ جو صحابہ موسیٰ کی طرح کفار کی وحشیانہ ستم آرائیوں سے بے قرار ہو کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ اب ایک عظیم الشان قربانی کی طلب کا وقت قریب تھا (یعنی ہجرت) اس لیے خدا نے ابھی سے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اس سورہ کا عمود ہی ہجرت کی تمہید ہے، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم آزمائش میں ڈال کر سچے اور جھوٹے مسلمانوں کو پرکھیں گے تو اس سے مراد یہی ترک وطن کی آزمائش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو پیچھے مسلمانوں سے الگ کر دیا — ان کے اخلاقی درجہ اور قانونی حقوق دونوں کو اصلی مسلمانوں سے الگ کر کے رکھ دیا :-

"اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوستی اور ولایت سے تمہیں کوئی سروکار نہیں جب تک کہ وہ (بھی تمہاری طرح) ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ لوگ (کفار کے خلاف) تم سے مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے بشرطیکہ وہ گروہ جس کے خلاف وہ تم سے مدد طلب کریں پہلے تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کر چکا ہو"۔

(انفال — ۱۰)

دیکھیے! یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اندازِ بیان سے ان ضعفا کے خلاف وہ ناگواری ظاہر نہیں ہو رہی ہے جو کامل منافقوں کے بارے میں عموماً وہ ظاہر کیا کرتا ہے، لیکن وہ صاف طور پر فرق کرتا ہے ان مسلمانوں میں جو اسلام لانے کے بعد دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اسلام کو عزیز رکھتے ہیں، اور ان مسلمانوں میں جن کے اندر اتنی اخلاقی طاقت یا اسلام کی اتنی محبت نہیں ہے کہ اس کی خاطر اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اصل ملتِ اسلامیہ پہلا گروہ ہے نہ کہ دوسرا۔ وہ اسلامی جماعت کی حیثیت سے صرف پہلے گروہ کو خطاب کرتا ہے اور دوسرے گروہ کی حیثیت اس کی نظر میں صرف یہ ہے کہ محض ان کے اقرارِ اسلام کی وجہ سے وہ اسلامی جماعت کے ساتھ ان کا ایک گونہ تعلق تسلیم کرتا

ہے۔ اور یہ "ایک گونہ تعلق" بھی کتنا حقیر ہے۔ ایمان لانے والے اور ہجرت اور جہاد کرنے والے مسلمان تو ایک دوسرے کے اولیا ہیں۔ مگر ہجرت اور جہاد نہ کرنے والے مسلمان اس برادری سے باہر ہیں۔ ان کے ساتھ "ولایت" کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا حق صرف اتنا ہے کہ اگر مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار ان کو ستائیں اور وہ اسلامی جماعت سے مدد مانگیں تو اسلامی جماعت پر فرض ہے کہ ان کی مدد کرے لیکن اگر کفار سے اسلامی جماعت کا پہلے سے کوئی معاہدہ موجود ہو تو اس صورت میں اسلامی جماعت اپنے ان نام نہاد مسلمان بھائیوں کی کوئی مدد نہ کرے گی۔ کیونکہ جو مسلمان اپنے ایمان پر وطن اور قبیلہ کی محبت کو قربان نہیں کر سکتے وہ اتنی قیمت نہیں رکھتے کہ ملتِ اسلامیہ ان پر سے اپنے معاہدات کو قربان کر دے۔

یہ تو اس قسم کے کمزور ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی عمومی حیثیت ہے اب رہے وہ مسلمان جو نہ صرف یہ کہ کفر کی حکومت میں کفار کے ساتھ رہتے ہیں، بلکہ کفار سے تعاون بھی کرتے ہیں، اور جب مسلمانوں سے کفار کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہ ان کی فوجوں میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں، ایسے لوگوں کو قرآن مجید صاف الفاظ میں جہنم کی بشارت سناتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ	ان لوگوں سے جن کی جان فرشتے
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ (کافروں کے

قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ط قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ط قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ط فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (النساء ۱۴)

خوف سے علانیہ حق پرستی نہ کر سکے اور پھر اس کے لئے ترکِ وطن نہ کر سکے) اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے، فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم دنیا میں بے بس تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین تمہارے لئے وسیع نہ تھی کہ تم (حق کی خاطر) اس میں کسی طرف ہجرت کر کے چلے جاتے (اور وہاں آزادانہ خدا کی پرستش کرتے) پس یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن کفار قریش کے خوف سے اس کا علانیہ اظہار نہیں کرتے تھے، مشرک انہیں اپنا ہی آدمی سمجھتے رہے۔ آخر کار جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہیں بھی لوٹا کر لشکر کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے مقابل آنا پڑا۔ بعض ان میں سے مارے گئے۔ ہنگامہ کارزار فرو ہونے کے بعد جب ان کی نعشیں پہچانی گئیں تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے بھائی تھے [illegible] مجبور ہو کر اپنے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے تھے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی۔ اس پر یہ آیت اُتری اور اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ جو مدعی ایمان نے استطاعت رکھتے

ہوئے اپنی متاعِ ایمانی کی حفاظت کے لیے وطن کی محبت کو قربان نہ کیا اور جلا وطنی کی مصیبتیں سہنے سے منہ موڑا، اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسے مومن اور مسلم کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

ایک موقع پر اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

مَن جامع المشرک و وسکن معہ فانہ مثلہ۔ (ابوداؤد۔ کتاب الجہاد)	جو شخص مشرک کے ساتھ مل جل کر رہا وہ بھی اسی کے مانند ہے۔

دوسری جگہ حضور نے اور زیادہ کھلے لفظوں میں فرمایا ہے کہ:-

انا بری من کل مسلم بین ظہرا فی المشرکین۔	میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکوں کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہو۔

غرض ایک مومن کامل کے لیے کسی ایسے ماحول میں ایک سانس لینا بھی جائز نہیں جہاں ہر طرف سے شرک و کفر اور ظلم و فسق کی فرمانروائی اسے گھیرے ہوئے ہو اور جہاں وہ خدا کی شریعت پر پورے طور سے عمل پیرا نہ ہو سکتا ہو۔ جو شخص ایسے ماحول میں بلا کسی مجبوری کے برضا و رغبت زندگی کے دن گذار رہا ہو اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ مسلمان کے لیے سلامتی ایمان کی بس یہی صورت ہے کہ یا تو اس ماحول سے نکل جائے، یا اگر کوئی ملجا و مامن نہ رکھتا ہو تو اس سے

لڑنے اور اس کو بدلنے کی کوشش میں جان دیدے ۔

انہیں ضعفاء کی صف میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو جہاد کی منادی سُن کر بیٹھے رہتے تھے ۔ قرآن ان کو بھی منافقین میں شمار کرتا ہے اگرچہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے حج اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے :-

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ (ابھی لڑائی سے) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (یعنی سر دست محض) نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ (سو یہ احکام تو بخوبی ادا کرتے رہے) مگر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ آدمیوں سے (یعنی دشمنوں سے جو بہر حال انہیں جیسے انسان تھے) اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا خدایا! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی ......

......" (النساء — ۱۱)

دیکھو یہاں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ لوگ قرآنی احکام و نواہی سے بالکلیہ منحرف نہیں تھے بلکہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اور ایسے ہی دوسرے احکام کے بجالانے میں دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھے لیکن جب لڑائی کا وقت آتا تو وہ میدانِ جنگ کے خوفناک مناظر و مصائب کا تصور کر کے کانپ اٹھتے اور ایمان کی کمزوری دلوں سے نکل کر چہروں پر جھلکنے لگتی ۔ غزوۂ احد میں کسی

طرح طوعاً و کرہاً یہ لوگ بھی میدانِ جنگ تک پہنچ گئے تھے جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہ مطمئن رہے۔ مگر جب کفار کا پہلو غالب ہونے لگا، اور لشکرِ اسلام میں انتشار برپا ہوا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے:۔

"ان میں بس اپنی جانوں ہی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اللہ کے متعلق ناروا اور جاہلیت کے زمانہ کا سا گمان کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ سارا اختیار تو اللہ کے ہاتھ ہے (محض اتنا ہی نہیں بلکہ) وہ اپنے دلوں میں اور باتیں بھی چھپائے ہوئے ہیں جنہیں صاف صاف ظاہر نہیں کرتے۔ دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو (نہ ہم یہاں آتے اور) نہ مارے جاتے ......" (آلِ عمران - ۱۶)

غزوہ تبوک کے وقت بھی جس میں بڑے سخت معرکہ کا اندیشہ تھا، اس جماعت نے یہی پارٹ ادا کیا۔ جب اعلان ہوا کہ سب لوگ جہاد کے لیے نکلیں تو یہ لوگ جی چرانے لگے۔ خدائی عتاب آیا:۔

"اے ایمان والو! (یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم راہِ خدا میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو زمین تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر (صرف) دنیا کی زندگی پر قانع ہو؟ ....
......" (توبہ - ۲)

کچھ تہدید آمیز تلقین کے بعد پھر انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ :-

"اگر کوئی قریبی فائدہ اور متوسط درجہ کا سفر ہوتا تو یہ لوگ تمہارا ساتھ ضرور دیتے لیکن یہ مسافت انہیں بہت دور کی معلوم ہوئی (اس وجہ وجہ سے تمہاری دعوتِ جہاد سن کر باہر نہیں نکلے، اور جب بعد میں تم اس کا سبب پوچھو گے تو) قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ (اپنی اس روش سے خود) اپنے تئیں ہلاک کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اے پیغمبر تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے، تم نے انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت کیوں دی؟ ...... پیچھے رہ جانے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو (دراصل) اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے[1] اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنی اس حالتِ شک میں حیران ہیں (کہ کیا کریں کیا نہ کریں" (توبہ - ۶)

---

[1] سورۂ توبہ کی جن آیات کا ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے ان پہ ایک نگاہ ڈال کر پھر غور کرو پہلے تو ان لوگوں کو "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے پھر آگے چل کر انہیں سے متعلق یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "پیچھے رہ جانے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتے" "اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُكَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" ان دونوں آیتوں پر (باقی برصفحہ ۷۹)

یہ ایک مکمل تصویر ہے ان ضعیف الایمان لوگوں کی جو محض نماز روزہ سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے ۔ ہمیشہ تن آسانی اور سکون وعافیت

(بقیہ صفحہ ۷۸) پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ نہ تو بالکل کافر اور حقیقی منافق تھے نہ کامل مسلمان ۔ یعنی پہلے جو انہیں ایمان والو کہہ کر خطاب کیا گیا ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سرحدِ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ بالکل کنارے ہی کھڑے ہیں ۔ اسی طرح دوسری جگہ جو "لَا یُؤْمِنُوْنَ" فرمایا گیا ہے وہ اس بات کا اعلان ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان خاطر خواہ ابھی اترا نہیں ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے کہ :-

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۤ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء)
اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ کمزور ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایمان والے کہہ کر خطاب کرتا ہے ورنہ جو راسخ الایمان ہیں ان سے ایمان لانے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے ۔

دراصل یہ قرآن کا ایک عام اسلوب بیان ہے کہ وہ ایک فعل کے مختلف مدارج قرار دے کر کبھی تو اس کے ابتدائی درجے کا لحاظ کر کے اس فعل کو استعمال کرتا ہے اور کبھی انتہائی درجہ پیش نظر ہوتا ہے ۔ گو ہر مقام پہ لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن سیاق و سباقِ کلام اس کے معنی کی تعیین کرتا ہے ۔ آیاتِ مذکورہ بالا میں لفظ "ایمان" کے دو مختلف استعمالات میں یہی نکتہ پنہاں ہے ۔

سے جو یا تھے اور جب لڑائی کا وقت آتا تو کہتے کہ لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ (گرمی بڑی شدید ہے اس وقت لڑائی کے لیے نہ نکلو) لیکن اللہ تعالیٰ بار بار انہیں متنبہ کرتا ہے کہ عافیت کوشی اور تن آسانی کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ اگر سورج کی گرمی سخت ہے تو یاد رکھو کہ دوزخ کی گرمی اس سے کہیں سخت تر ہے (قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا) اس طرح جی چرا کر تم کوئی اپنا بھلا نہیں کر رہے ہو بلکہ درحقیقت اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو۔

یہ ضعفِ ایمان جس کو قرآن نے نفاق کے شعبوں میں سے ایک شعبہ قرار دیا ہے، اس وقت دنیا کے مسلمانوں پر ایک بلائے عام اور مرضِ مزمن کی حیثیت سے چھایا ہوا ہے۔ ضعفِ ایمان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی مسلمان نہ ہو، یا خدا اور رسول اور قرآن اور آخرت کو نہ مانے، یا نماز اور روزہ اور حج وغیرہ ارکان و فرائضِ دینی سے انکار کرے۔ دراصل ضعفِ ایمان نام ہے اس چیز کا کہ آدمی کو اپنا ایمان اور اپنا اسلام اتنا عزیز نہ ہو کہ اس کی خاطر وہ اپنے آرام، اپنی آسائش، اپنے مال، اپنی جان اور نفسانی اغراض کو قربان کر سکے۔ ضعفِ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اسلام کا دعوے کرنے کے باوجود کفر کے غلبہ و تسلط کو قبول کرے اور اس کے ماتحت رہ کر صرف اس قدر اسلام پر قانع و مطمئن ہو جائے جسے کفر کی حکومت گوارا کر سکتی ہو۔ ضعفِ ایمان سے مراد یہ ہے کہ آدمی زبان سے تو خدا کے قانون کی برتری کا اقرار کرے، مگر عملاً خدائی قانون کو بدل بدل نافذ کرنے

کی ذمہ داری سے جی چرائے، بلکہ خود اُن قوانین کے تحت زندگی بسر کرنے پہ
راضی ہو جائے جن سے خدا راضی نہیں ہے۔ یہ ہے ضعفِ ایمان کی تعریف۔
اس تعریف کو نگاہ میں رکھیے اور پھر زمین کے ایک ایک گوشہ پر نظر ڈال کر
دیکھیے کہ کس جگہ کے مسلمان ضعفِ ایمانی کے اس داغ سے اپنا دامن بچا رکھ
سکے ہیں اور شیطانی قوانین کی گرفت سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں اسلامی
زندگی بسر کرنے کی آزادی حاصل کیے ہوئے ہیں؟ کیا ہندوستان کے نو کروڑ
مسلمانوں کو یہ آزادی حاصل ہے؟ کیا جاوا کے ساڑھے تین کروڑ، ملایا کے
پچیس لاکھ، سیام کے پانچ لاکھ اور چین کے پانچ کروڑ مسلمان اسلامی
زندگی بسر کر رہے ہیں؟ کیا روس کے دو کروڑ، یوگوسلاویہ کے سولہ لاکھ، رومانیہ
کے تین لاکھ، البانیہ کے سات لاکھ، شام کے سولہ لاکھ، الجزائر کے تریسٹھ
لاکھ، مراکش کے ستر لاکھ، ٹیونس کے بائیس لاکھ، طرابلس کے سات لاکھ، حبشہ
کے چالیس لاکھ، سوڈان کے پچاس لاکھ اور نائیجیریا کے ایک کروڑ مدعیانِ اسلام
پر الٰہی قانون نافذ ہے؟ کیا کویت، بحرین، قطار، کینیا، زنجبار، سومالی لینڈ،
جنوبی افریقہ، بورنیو، قبرص، فلسطین، شرق اردن، عدن اور حضر موت میں قرآن
حکومت کر رہا ہے؟ اور اگر [illegible] سے کام لیا جائے تو کیا خود نام کی مسلمان
حکومتوں ترکی، عراق، ایران اور مصر وغیرہ میں [illegible] اسلام کی حکومت قائم ہے؟
غور کیجیے اس زمین کا کون سا خطہ ہے جہاں مسلمان بستے ہیں اور ان پر مغربی شیاطین

براہِ راست یا ان کے قوانین فرمانروائی نہیں کر رہے ہیں؟ کتنے مسلمان ایسے ہیں جو خداوندِ عالم کے سوا کسی کے بندے نہیں ہیں اور کتنے ایسے ہیں جن کے خدا حقیقت میں اسٹالین، ماؤزے تنگ، چرچل، ٹیمان، فرانکو اور دوسرے ائمہ کفر و جہل بنے ہوئے ہیں؟ پھر ان مسلمانوں کا شمار آخر کن میں ہوگا؟

فرض کر لو کہ یہ سب کے سب بڑے دین دار ہیں۔ ان کی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی، زکوٰۃ اور حج کے فریضہ سے بھی یہ غافل نہیں مگر قرآن سے پوچھیے کہ اس نماز اور اس روزے اور حج و زکوٰۃ کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جن مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہ کی تھی، اور اپنے وطن میں کفار سے مغلوب ہو کر رہنا گوارا کر لیا تھا ان کو قرآن نے "اپنے نفس پر ظلم کرنے والا" قرار دیا اور جہنم کی وعید سنائی، اللہ کے رسول نے ان کو کفار کے مثل قرار دیا اور ان سے بری الذمہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ نماز نہ پڑھتے تھے یا روزہ نہ رکھتے تھے۔ بلکہ صرف یہ وجہ تھی کہ انہوں نے کیوں کفر کے ماحول کو بدلنے یا بصورتِ دیگر اس ماحول سے ہجرت کر جانے کی قربانی نہیں دی اور کیوں وطن اور اہل و عیال کی محبت میں گرفتار رہ کر غیر اسلامی زندگی بسر کرنے پر قانع رہے۔ یقین کیجیے خدا کی سنت بے لاگ اور اس کا قانون نا آشنائے تغیر ہے۔ اگر دنیا کے یہ بے شمار انسان، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، کفر و شرک کی اس عالمگیر سلطنت کو جس کے تحت وہ زندگی

گذار رہے ہیں، الٹ بھی نہیں سکتے۔ ایسے بے چین نہیں ہیں، اگر وہ ان مافوقی
طاقتوں سے جو انہیں دبائے ہوئے ہیں ٹکر لینے کے تصور سے کانپتے رہتے
ہیں، اگر وہ تن آسانی کے خلوت کدوں میں بیٹھے ہوئے [illegible]
کا ورد کر رہے ہیں، اگر وہ بزدلی کی دلدل میں پھنسے ہوئے لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ
إِلَى التَّهْلُكَةِ کی الٹی تاویلیں کر رہے ہیں، اگر ان سے ایمان کی افسردگی نے اعلاء
الٰہی کے قیام کا احساس کھو دیا ہے اور اگر دنیوی تعلقات کی وارفتگی نے انہیں غیر
اسلامی ماحول میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا ہے تو ان تمام انسانوں
کو خواہ وہ چالیس کروڑ نہیں چالیس ارب ہی کیوں نہ ہوں، خدا کی بے نیاز
بارگاہ وہی فیصلہ سنائے گی جو مکہ سے ہجرت نہ کرنے والوں کو اس نے سنایا تھا اور
جب تک وہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے درمیان پڑے
لٹک رہے ہیں اس وقت تک ان کی شب بیداریاں، ان کے صوم و صلوٰۃ کی
ساری پابندیاں، ان کی لمبی لمبی تسبیحیں اور ان کے خوشنما مصلے کچھ کام نہ دیں گی
اور اَنَا بَرِيْءٌ مِّنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ کی وعید ان کو اپنی
گرفت میں لئے رہے گی۔

لیکن بدقسمتی سے معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا مسلمانوں کو ضعفِ ایمانی کی
سزا صرف اتنی ہی نہیں بھگتنی پڑ رہی ہے کہ غیر قرآنی نظامِ زندگی مسلط ہے بلکہ
وہ لعنتیں بھی برداشت کرنی پڑ رہی ہیں جو بدترین شکل میں ان ضعیف الایمان

لوگوں نے اٹھایا تھا جو مکہ میں کفار سے مغلوب ہو کر رہنے کی وجہ سے بالآخر مجبوراً مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑنے کیلئے لائے گئے تھے۔ جنگ عظیم میں آپ نے کیا دیکھا؟ یہی نا کہ انگریز بہادر کے غلام "مسلمان" اس کی استعماری خواہشات کی حمایت میں میدانِ جنگ میں بھیجے گئے اور نہ صرف جرمنی کے منکرین اسلام کے خون سے ہی ان کی تلواریں رنگین ہوئیں بلکہ ترکی کے مسلمانوں کے کلیجے بھی ان کی گولیوں سے چھلنی ہوئے اور اس گزری ہوئی داستان کو بھی جانے دیجئے۔ ابھی کل فرانکو نے مراکش کے لاکھوں عربوں سے کس شئے کی حمایت میں تلوار اٹھوائی تھی؟ اور آج لیبیا میں مصر کی سرحدوں پر "اطالوی فرعون" عربوں کی جبری فوجی بھرتی کس مقصد کے لیے کر رہا ہے؟ ہندوستان میں تمام اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے گرد بھی فوجی بل کا حصار کن اغراض کی خاطر کھینچا گیا ہے؟ کیا تمہارا گمان ہے کہ لوائے کفر کے زیر سایہ لڑ کر جاہلیت کی موت مرنے سے "مسلمان" اس لیے معذور سمجھا جائے گا کہ وہ اس کے لیے مجبور تھا؟ مکہ کے ضعیف الایمان لوگوں نے بھی تو یہی عذر پیش کیا تھا کہ ہم مجبور تھے (كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ) مگر کارکنانِ قضا و قدر نے آتشکدۂ جہنم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا فیصلہ سنا دیا کہ

فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔

آج ہر چہار طرف کفر کا عالم آشوب طاری ہے۔ مسلمانوں کو مسلمانہ زندگی بسر کرنے کا کہیں سامان نظر نہیں آتا الا ماشاء اللہ۔ مسلمان مجبور ہیں کہ انسانوں

کے بنائے ہوئے قانون کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھالیں حتّٰی کہ جب ضرورت ہو تو اسی قانون اور اسی غلبۂ کفر کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی گردنیں بھی وقف کر دیں۔ اس ہمہ گیر عالم آشوبی میں قرآن کی روح بے تابانہ چلّا رہی ہے اور مسلمانوں سے مطالبہ کر رہی ہے کہ اٹھو، یا تو زمانہ سے لڑ کر اس کے رُخ کو جاہلیت سے اسلام کی طرف پھیر دو یا نہیں تو اس مقصد کے لیے اپنی مادی ہستیوں کو فنا کر دو، اور اگر اس کی واقعی مقدرت نہیں رکھتے تو چھوڑ دو گھر بار، اہل و عیال اور نسل و وطن کے ان رشتوں کو، اور جہاں کہیں تمہیں اس پہنائے عالم میں آزادانہ اسلامی زندگی بسر کرنے کا موقع نصیب ہو، ہجرت کر جاؤ۔ اور اگر انسانی آبادیوں میں سے کوئی آبادی بھی تمہیں اس مقصد کے لیے جگہ دینے سے انکار کر دے تو یاد رکھو کہ پھر بھی تمہارے لیے جائز نہیں کہ اسی غیر اسلامی زندگی کے گذر بسر پہ قانع ہو جاؤ۔ نہیں، اصحابِ کہف کی راہ اختیار کرو ورنہ عذابِ الٰہی کا مزہ چکھنے کے لیے تیار رہو، کہ اس انکار و اقرار کا جس کے تم مرتکب ہو رہے ہو، خدا کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں۔ مگر روحِ قرآنی کی اس پکار پر یا یوں کہیے کہ حالاتِ حاضرہ کے مقتضیات پہ کان کون دھر رہا ہے؟ مشرق سے مغرب تک ہر جگہ ایک عام بے حسی اور مدہوشی طاری ہے۔ اسلام کے عشق میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا سودا دماغوں سے نکل چکا ہے۔ مجاہدانہ اسپرٹ عنقا ہو رہی ہے۔ گھر بار کی محبت، دنیوی رشتوں کی بندشیں، اور نفس کی کمزوریاں دامنِ جہاد و ہجرت کا

تصور تک نہیں آنے دیتیں۔ جہاد اور ہجرت کا نام سن کر موت کی غشی چھا جاتی ہے۔ جدھر دیکھیے "حاملینِ قرآن" بغیر کسی احساسِ ناگواری کے کفر اور اہلِ کفر کے زیرِ سایہ زندگی گزار رہے ہیں۔ تن آسانی اور امن پسندی کا گھن ملت کے ایک ایک عضو کو کھوکھلا کر چکا ہے۔ کیا اس کھوکھلے ایمان کا بھی خدا کے ہاں کوئی وزن ہے؟

(۱۱) دو رُخے لوگ قرآن میں ایک ایسے گروہ کا بھی ذکر موجود ہے جو اعتقادی حیثیت سے توحید پرستی اور شرک کے بیچ میں معلق تھا۔ یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار تو کرتے تھے اور اللہ کی عبادت سے بھی منکر نہ تھے، مگر ہنوز ان کے دلوں سے اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی عظمت کے نقوش محو نہ ہوئے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک فائدہ رہتا، خدا کی عبادت کرتے رہتے۔ اور جب کوئی مصیبت آتی تو خدا کے سوا ہر اس مخلوق سے دعائیں مانگنے اور منتیں کرنے لگتے جس سے ان کو حاجت روائی کی توقع ہوتی۔ قرآن ان لوگوں کے حق میں کہتا ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ	اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت
اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ	کرتے تو ہیں مگر تذبذب کے ساتھ یعنی اس
اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ	طرح کہ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچا تب تو مطمئن
اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا	رہے اور اگر کوئی مصیبت آپڑی تو الٹے
وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ	منہ پھر گئے۔ دنیا اور آخرت دونوں سے گئے،

الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ
هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ
ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ
الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ (الحج-۲)

اسی کا نام خسران مبین (کھلا نقصان) ہے
یہ لوگ مصیبت کے وقت خدا کو چھوڑ کر ان
سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں جو نہ ان کو نفع
پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان
پہنچانے کی۔ یہی ہے پرلے درجے کی گمراہی۔
یہ لوگ مصیبت کے وقت خدا کو چھوڑ کر انہیں پکارتے ہیں جن کا نقصان ان کے نفع کی بنسبت زیادہ یقینی ہے۔ کیا ہی برا ہے (یہ) مولیٰ (یعنی مرجع الیہ) اور کیا ہی برا ہے یہ ساتھی (یعنی رجوع کنندہ)

اگرچہ اس گروہ کے لیے قرآن میں لفظ منافق استعمال نہیں ہوا ہے لیکن ان کی جو حالت بیان فرمائی گئی ہے وہ نفاق کی تعریف میں آ جاتی ہے۔ یہ ایک طرف خدا کا اقرار اور اس کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف غیر خدا کو حاجت روا بھی بناتے ہیں، یعنی ایک راستہ سے اسلام میں داخل ہوتے اور دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی کا نام نفاق ہے۔

شرک اور توحید کا یہ جوڑ بھی کیسا عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد بھی تسلیم کرنا اور پھر دوسروں کو قاضی الحاجات بھی سمجھنا۔ یہ بات یقیناً ہمارے لیے بڑی ہی حیرت کی چیز ہوتی، اگرچہ ہماری آنکھوں کے سامنے "بزرگوں" کی قبریں اور پیروں کی خانقاہیں نہ ہوتیں، جہاں ہر صبح اور ہر شام ایک دو نہیں لاکھوں

"مسلمانوں" کو ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے آگے سر جھکائے ہوئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[1] پڑھ رہے تھے، وَمَا النَّصْرُ[2] اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اور لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَھُمْ[3] کا اقرار کر رہے تھے، اور اس کے چند ہی لمحوں بعد وہی "مسلمان" قبروں کے آگے اپنی ہی جیسی لاچار اور عاجز محض مخلوق سے مرادیں مانگ رہے ہیں اور گڑگڑا کر دعائیں کر رہے ہیں۔ انسانوں کو "مشکل کشا"، "غوث اعظم" (سب سے بڑا فریاد رس!) اور "دستگیر" اور "داتا گنج بخش" کہا جا رہا ہے مصیبت کے وقت خدا سے مدد مانگنے کے بجائے یا علی المدد اور یا غوث اغثنی اور یا پیر دستگیر کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ اولاد اور نوکری اور مقدمہ کی کامیابی اور ایسی ہی دوسری اغراض کے لیے خدا کے بجائے اس کے بندوں کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اگر مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔ یہاں تک تو خیر، یہی غنیمت ہے کہ خدا کی عبادت کا مقام، بندوں کو پکارنے کے مقام سے الگ رکھا گیا ہے۔ مگر اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض لوگوں نے یہ غضب کیا کہ خدا کے گھر میں، ٹھیک اس جگہ جہاں خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کیا جاتا

---

[1] (خدایا) ہم صرف تیرے ہی بندے ہیں اور تجھی سے اعانت طلب کرتے ہیں (فاتحہ)
[2] اور فتح و کامرانی تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے (آل عمران)
[3] یہ خود ساختہ معبود ان مشرکوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

ہے، یا شیخ فلاں شیئاً للہ۱؎ کے نقش نصب کر دئے گویا اللہ تعالیٰ کو خود اس کے گھر میں جا کر چیلنج دے دیا گیا۔

(۱۲) منافقین کی ایک اور قسم | منافقین کی مذکورہ بالا اقسام تو وہ ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور قسم بھی اس زمانہ میں پائی جاتی ہے جس کا

۱؎ اس فقرے کا لفظی ترجمہ یہ ہے "اے شیخ فلاں کچھ خدا کے لیے" یعنی خدا کے لیے کچھ عنایت فرمائیے۔ اس کے معنی و مفہوم پر غور کیجیے۔ اس میں درحقیقت توسل کے مسئلہ کو الٹا کر رکھ دیا گیا ہے توسل کے معنی تو یہ ہیں کہ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ہم اس کے مقربوں میں سے کسی کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے مانگتے ہیں لیکن یہاں اس کے برعکس اللہ کو وسیلہ قرار دے کر شیخ صاحب سے مانگا جا رہا ہے۔ گویا اصل دینے والے شیخ صاحب ہیں اور اللہ ان کا مقرب ہونے کی وجہ سے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جو شخص لا الہ الا اللہ کے معنی کو سمجھ کر اس کلمہ پر ایمان لایا ہو وہ کس طرح اس بات کا تصور کر سکتا ہے کہ خدا زندہ قائم کو کسی بندے کے پاس وسیلہ قرار دے کر اس بندے سے مانگا جائے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے یہ بات مسجدوں کی محرابوں میں ایسے لکھ کر لگایا ہے۔ بھلا اس کے مقابلہ میں اس سے بڑھ کر کیا جرأت ہو سکتی ہے؟ جو گھر خصوصیت سے کیا گیا تھا کہ ایک خدا کی خدائی کا اعلان کرنے کے لیے اس کو بھی انہی مسلمانوں نے نہ چھوڑا اور وہاں بھی بندوں ہی کی بڑائی کا اعلان کیا۔ اس کے بعد بھی اگر یہ حضرات خسر الدنیا والآخرۃ کے وبال میں گرفتار نہ ہوتے تو معاذ اللہ خالق کی بات جھوٹی ثابت ہو جاتی۔

وجود عہد نزول قرآن میں نہیں تھا، اور نہ قدرتاً ہونا چاہیے تھا۔ یہ قسم ان نسلی اور خاندانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کے دماغ تو غیر اسلامی نظریات اور اصولوں پر پوری طرح ایمان لائے ہوئے ہیں اور اسلامی اصول اور قرآنی تصورات سے یکسر لاتعلق ہو چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کو "مسلمان" کہنے اور مسلمان کہلانے پر مصر ہیں، اور ان کا یہ اصرار کسی غرض یا کسی ذاتی مصلحت پر مبنی نہیں ہے جیسا کہ دوسرے منافقوں کا خاصہ ہے، بلکہ انہیں لفظ "اسلام" اور "مسلمان" کے ساتھ ایک گہرا جذباتی تعلق ہے اور اس تعلق کے قیام و بقا میں وہ سخت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں بے شمار قومیں ہیں، اسی طرح انہوں نے "مسلمان" کے لفظ کو بھی ایک قوم کے نام کی حیثیت دے رکھی ہے، اور جس طرح ہر انسان کو اپنی قوم سے ایک خصوصی لگاؤ ہوتا ہے۔ خواہ اس میں اور اس کے دوسرے ہم قوم افراد میں کتنا ہی زبردست اختلاف فکر و نظر موجود ہو — اور نفسیاتی اعتبار سے اس لگاؤ میں اتنی مضبوطی ہوتی ہے کہ بسا اوقات انسان کسی قیمت پر اس لگاؤ کو قربان نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح یہ مسلمان زادہ بھی اپنی قومیت کے نشان یعنی لفظ مسلمان کو اپنے سے جدا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اور جب کوئی موقع قومی حمایت کا آتا ہے تو دوسرے منافقین کی روش کے برعکس "مسلم قوم" کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتا، اور اس میں نفرت شوں کے مظاہرہ میں نہ تو اس کی کسی بدنیتی کا دخل ہوتا ہے نہ خود

غرضی یا جاہ طلبی کا، بلکہ یہ اثر ہوتا ہے محض اُس تعصب کا جو اُسے اپنی قومیت کے ساتھ ہے۔ یہ چیز دنیوی لحاظ سے خواہ کتنی ہی قابلِ قدر ہو مگر اس کو کیا کیجیے کہ اسلام کی نگاہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اسلام کوئی آبائی اور پیدائشی دین نہیں ہے بلکہ ایک خاص مسلک ہے جو غور و فکر کے بعد اطمینانِ قلب کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس مسلک کو سمجھ کر اس پر ایمان نہیں لایا ہے، اور اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے بعض شعبوں میں یا تمام میں کسی دوسرے مسلک کے اصول و نظریات کی پیروی قبول کرتا ہے تو اس کا محض وہ پیدائشی تعصب جو اُسے لفظ "اسلام" کے ساتھ ہے، قرآن کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔

آپ اس "نیک نیت" اور "مخلص" منافق کو صرف اس بنا پر معاف نہیں کر سکتے اور نہ اُسے منافق کہنے سے باز رہنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ اس کی نیت بے لوث ہے اور وہ مسلم قوم کا بہر حال بہی خواہ ہے، کیونکہ جو شخص ان اصول اور اساسات ہی کو نہیں مانتا، بلکہ عملاً ان کی جڑیں کھودتا ہے جن پر اسلام کا وجود منحصر ہے، اور جو شخص لفظ "مسلمان" کا اطلاق تو اپنے اوپر کرتا ہے مگر اس معنی اور اس کی روح سے قطعاً خالی ہے، اس کی ایک نہیں ہزار قربانیاں بھی اسلامی نقطۂ نظر سے ہیچ ہیں۔ وہ نادانستہ طور پر اسلام کے گھر میں اسلام کا دشمن ہے۔ وہ مخلص ہوتے ہوئے بھی منافق ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اور منافقوں کی طرح اس کا نفاق شعوری اور ارادی نہیں بلکہ غیر شعوری اور غیر ارادی

ہے۔ آپ بہت رعایت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دل کو مسلمان کہہ لیجئے لیکن اس کے دماغ کو تو مسلمان کہنے کی گنجائش آپ کو نہیں مل سکتی۔ اور قرآن کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کو اسلامیت کا اعزاز نہیں بخشتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کا دماغ دونوں قرآنی رنگ میں رنگے ہوئے نہ ہوں۔ یہ قرآن کا اصول ہے، غیر متبدل اور بے لاگ اصول جس میں نہ کسی مداہنت کی گنجائش ہے نہ کسی رو رعایت کی۔

اگر آپ گہری نظر سے مسلمانوں کا جائزہ لیں تو بے شمار دردمندان ملت ایسے نظر آئیں گے جن کی کسی حرکت سے مسلم دشمنی اور خود غرضی کا شبہ تک نہ ہو سکے گا، بلکہ ان کی ساری زندگیاں قوم مسلم کی تعمیر و ترقی میں وقف نظر آئیں گی لیکن جس وقت آپ عام معیارِ خدمت و ایثار کو چھوڑ کر قرآن کے معیار پر ان کے خیالات اور ان کی زندگی کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد تک پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن کے واضح اور صریح احکام کی نہ صرف خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ نظری حیثیت سے بھی ان احکام کو غلط سمجھتے ہیں اور مغرب کے اخلاقی، تمدنی اور قانونی نظریات پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ پھر ان کی وہ خدمات جن کا ذکر کر کے ہم سے کہا جاتا ہے کہ ان کی قدر کرو، انہیں جب ہم زیادہ گہری نظر سے جانچ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ جن تعلیمی یا سیاسی یا تنظیمی ادارات کو چلا رہے ہیں وہ غیر اسلامی تصورات

اور غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہیں، اور مسلمانوں کو قرآن کے نصب العین اور قرآن کے قانونِ حیات سے دور لیے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا دنیوی اعتبار سے مسلمان ان کو خواہ اپنے لیے کتنا ہی مفید سمجھیں، قرآنی نقطۂ نظر سے یہ ہرگز کسی قدر کے مستحق نہیں ہیں۔

منافقین کی اقسام، بڑی اور اصولی تقسیم کے اعتبار سے یہی ہیں۔ اگر تمام منافقوں کو ایک قوم یا ایک نسل تصور کر لیا جائے تو ان بارہ اقسام مذکورہ کو اس قوم کے بڑے بڑے قبیلے سمجھنا چاہیے جن میں سے ہر قبیلہ کے تحت بے شمار خاندان ہیں۔ لہٰذا اصلیت کے لحاظ سے منافقوں کی اقسام کو صرف اسی بارہ کی تعداد میں محدود نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ ان کی صحیح تعداد تو ستاروں کی طرح ان گنت ہے۔ اور خود نفاق کی فطرت اور اس کی حقیقت ہی اس دعویٰ کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ لیکن اس وقت ہمیں ضرورت نہیں کہ مزید تجزیہ کر کے ہر چھوٹے سے چھوٹے گروہ کا ذکر تفصیل کی روشنی میں لائیں۔ کیونکہ آپ جس نوع منافقین کو بھی لیں گے وہ انہیں بارہ جنسوں میں سے کسی نہ کسی جنس کے تحت ہوگی، اور قرآنی قانون کی رو سے اس کا حکم وہی ہوگا جو اس کی جنس کا ہوگا۔ رہ گیا یہ سوال کہ ان تمام اقسام منافقین کے بارے میں قرآن کا حکم کیا ہے، اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو کس طرح پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے، اس بحث پر کلام کرنے سے پہلے ہم ان تمام صفات اور اعمال اور علامات کو اکٹھا کر دینا چاہتے ہیں جو منافقین کے ساتھ مخصوص ہیں تاکہ ایک ایسا جامع مرقع نفاق تیار ہو جائے جس میں منافقین کی صورت بآسانی دیکھی جا سکے۔

علاماتِ نفاق

سطورِ بالا میں منافقین کے حالات اور ان کی صفات پر جو تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اس کے بعد صفات اور علاماتِ نفاق کو یکجا بیان کرتے وقت کسی تفصیل کی حاجت نہیں۔ یہاں ہم صرف مختصراً نفاق کی علامات کو نمبروار درج کر دینے ہی پر اکتفا کریں گے تاکہ ناظرین مجموعی طور پر ان سب کو بیک نظر دیکھ لیں۔ قرآن کی رو سے نفاق کی علامتیں حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) ظاہر اور باطن کا مختلف ہونا، یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ (فتح - ۲)

(۲) خود غرض اور موقع پرست ہونا، اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ الخ (نساء - ۲۰)

(۳) خطرے کے وقت اصول کی پابندی کو حماقت، مشکلات میں راستبازی و دیانت کو بے وقوفی، اور راہِ حق میں اظہارِ عزیمت کو ناعاقبت اندیشی سمجھنا۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ الخ (بقرہ - ۲)

(۴) اسلام اور امتِ اسلامیہ کے مصائب پر مسرور ہونا اور اس کی ترقی

اور خوشحالی کو دیکھ کر جل اٹھنا۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔ (آل عمران-۱۲)

(۵) مصالح اسلامی کے خلاف سازشیں کرنا۔ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ الخ (النساء-۱۱)

(۶) اسلامی سیاسیات سے متعلق اہم امور کو جنہیں اہل حل و عقد کے پاس صیغۂ راز میں رکھنا چاہیے، عوام میں مشہور کر دینا۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء-۱۱)

(۷) ارشادات نبوی اور فرامین الٰہی کے خلاف سرگوشیاں کرنا۔ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (مجادلہ-۲)

(۸) اہل حق اور اہل باطل دونوں سے فریب کارانہ راہ و رسم رکھنا تاکہ ہر ایک کی مخالفت سے امن حاصل رہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ (النساء-۱۲)

(۹) قوانین اسلام کو اور خصوصاً جہاد کو خلاف مصلحت بلکہ وجہ فساد اور ناقابل عمل سمجھنا، اور اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کے وضع کردہ خود غرضانہ طرز عمل کو بنائے صلح و آشتی سمجھنا..... قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ (البقرہ-۲)

(۱۰) مفسدہ پرداز ہونا۔ كُلَّمَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا (النساء-۱۲)

(۱۱) اسلام کو آج قبول کرنا اور کل اس سے برگشتہ ہو جانا محض اس لیے تا کہ عوام کو اسلام سے نفرت پیدا ہو۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ ..... الخ (آل عمران - ۸)

(۱۲) کفار اور دشمنانِ اسلام سے دوستی یا محبت، یا مددگاری و معاونت کا تعلق رکھنا۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (النساء - ۲۰)

(۱۳) اسلام کی محارب اور بدخواہ قوتوں کو مسلمانوں کے مقابل امداد دینا یا امداد کا وعدہ کرنا۔ لَئِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ (حشر - ۲)

(۱۴) کفار کے ہاں عزت کا طالب ہونا۔ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ۔ (النساء - ۲۰)

(۱۵) اسلامی عدالت کے بجائے ایسی عدالتوں سے اپنے معاملات کا فیصلہ کرانا جو غیر اسلامی قانون پر عمل کرتی ہوں۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ ۔ (النساء - ۹)

(۱۶) شریعت کے قانون پر محض اس وقت عمل کرنا جب کہ اپنا فائدہ ہوتا ہو، اور جہاں یہ اندیشہ ہو کہ شریعت کا فیصلہ ان کی خواہشات کے خلاف ہوگا وہاں اس سے دور بھاگنا اور صاف لفظوں میں اسے ٹھکرا دینا۔ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِنْ

یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ۔ (النور۔ ۶)

(۱۷) حق کے واضح ہو جانے کے بعد، اور اسے حق جان لینے کے باوجود غرور اور خود پرستی کی وجہ سے اور جھوٹی عزت کے خیال سے اپنی غلط روش پر جمے رہنا۔ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔ (بقرہ۔ ۲۵)

(۱۸) اخلاق اور تقویٰ کے بجائے نسلی اور قومی امتیازات کو وجہ عزت و ذلت سمجھنا اور انہیں امتیازات کا سوال اٹھا کر امت میں نسلی گروہ بندی پیدا کرنا۔ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ۔

(منافقون۔ ۲)

(۱۹) تقویٰ اور مغفرت کو ہیچ اور اپنے کو ان چیزوں سے بلند و برتر اور بے نیاز سمجھنا۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ۝ (منافقون ۱)

(۲۰) اپنی عقل و فہم کو معیارِ حق سمجھنا اور قرآن کے بیان کردہ حقائق کا مذاق اڑانا، ان پر نکتہ چینی کرنا۔ وَلِیَقُوْلَ ...... مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا۔ (منافقون۔ ۱۰)

(۲۱) نماز اور اذان کا بلکہ تمام شعائر اسلامی کا مذاق اڑانا۔ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا۔ (مائدہ۔ ۸)

(۲۲) اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسول کو، اور اس کی آیات کو دل لگی کا سامان

بتانا۔ قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَہْزِءُوْنَ۔ (توبہ-۸)

(۲۳) مال دار مسلمانوں کے مخلصانہ انفاق فی سبیل اللہ پر ریا کاری کا الزام لگانا اور غریب مسلمانوں کے تھوڑے صدقات کی ہنسی اُڑانا۔ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ...... فَیَسْخَرُوْنَ مِنْہُمْ۔ (توبہ-۱۰)

(۲۴) خدا سے یہ دعا کرنا کہ اگر مجھے تو نے مال دیا تو تیری راہ میں خرچ کروں گا لیکن مالدار ہونے کے بعد اس عہد کو فراموش کر دینا اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے بخل کرنا۔ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ بَخِلُوْا بِہٖ (توبہ-۱۰)

(۲۵) اگر راہِ خدا میں کبھی خرچ کیا بھی تو قلبی کراہیت اور تنگ دلی کے ساتھ۔ وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ کٰرِھُوْنَ۔ (توبہ-۷)

(۲۶) راہِ خدا میں صرف کرنے کو مفت کا تاوان اور لاحاصل خرچ سمجھنا وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا۔ (توبہ-۱۲)

(۲۷) دوسرے مالدار مسلمانوں کو غریب مسلمانوں کی مدد کرنے سے روکنا تاکہ اسلامی جماعت میں بالآخر پراگندگی پیدا ہو جائے۔ ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا۔ (منافقون-۱)

(۲۸) حرام خوری میں بے باک ہونا۔ وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ ...... وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ۔ (مائدہ-۹)

(۲۹) لوگوں کو اچھے کاموں سے روکنا اور بُرائی کی تلقین کرنا۔ یَاْمُرُوْنَ

بِالْمُنْکَرِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ (توبہ۔۹)

(۳۰) جماعت میں فحش اور بداخلاقی کی ترویج کرنا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (نور۔۲)

(۳۱) شیرازۂ ملت کو مذہبی فرقہ بندیوں کے ذریعہ درہم برہم کرنا۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا۔ الخ (توبہ۔۱۲)

(۳۲) اپنے آپ کو ظلم اور گناہ کے لیے وقف کر دینا۔ وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (مائدہ۔۹)

(۳۳) جھوٹ کا عادی ہونا اور لوگوں کو فریب دے کر اپنی مطلب براری کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا۔ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَهُمْ جُنَّۃً۔ (منافقون۔۸)

(۳۴) کسی کے ساتھ کبھی سچی وفاداری نہ کرنا اور پاس عہد سے سروکار ہی نہ رکھنا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ...... وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ۔ (حشر۔۲)

(۳۵) بغیر کسی کارنامے کے سرانجام دیے ہوئے محض جھوٹی شہرت کا حریص ہونا۔ وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا۔ (آل عمران۔۱۹)

(۳۶) بے حسی قلب کے باعث سچائی اور نیکی کی حقیقتوں کے ادراک سے

عاجز ہونا۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ (منافقون۔ ۱) فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ (النساء۔۱۱)

(۳۷) بزدل ہونا۔ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ۔ (توبہ۔ ۷)

(۳۸) ابتدائے اسلام سے درپردہ خوشامدانہ ربط وضبط رکھنا، صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ کوئی گزند نہ پہنچا دیں۔ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ۔ (مائدہ۔ ۸)

(۳۹) بزدلی کی وجہ سے ہر مصیبت کو خواہ اس کا رُخ کسی طرف ہو، اپنے ہی لیے سمجھنا۔ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ (منافقون۔ ۱)

(۴۰) اپنے مسلم ہونے پر توفیق الٰہی کا شکر گزار ہونے کے بجائے الٹا اللہ اور اس کے رسول اور عام اُمتِ مسلمہ پر احسان رکھنا۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا۔ (حجرات۔ ۲)

(۴۱) نماز کی ادائیگی اور پابندی کو گراں محسوس کرنا محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا، مگر اس طرح الکساتے ہوئے آنا جس سے صاف ظاہر ہو کہ با دلِ ناخواستہ آئے ہیں۔ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ[1] (النساء۔۲۱)

---

[1] یہ آیت ایک بڑی حقیقت کی پردہ کشائی کر رہی ہے۔ اس (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۴۳) ہلکے اور بے ضرر احکامِ شرعیہ پر تو بڑی تندہی سے عمل کرنا لیکن سخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) میں منافقین کی علامت یہ نہیں بتائی گئی کہ وہ نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتے، بلکہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ الکسا تے ہوئے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز، مومن اور کافر کے درمیان حدِ فاصل تھی۔ جو شخص موذن کی پکار پر مسجد میں نہ پہنچتا اس کے متعلق سمجھ لیا جاتا تھا کہ اسلام اسے قبول نہیں ہے، اور اس بنا پر وہ جماعت سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ لہٰذا اس زمانہ میں ہر اس شخص کو نماز کے وقت مسجد میں حاضر ہونا پڑتا تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا چاہتا ہو، عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا منافق۔ منافقین اگرچہ دل سے نماز کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نہ اسے ادا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ انہیں اپنی منافقانہ اغراض کے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ اسلامی جماعت میں گھسے رہیں، اس لیے وہ نماز کے اوقات میں مجبوراً مسجد جاتے تھے۔ اس وقت مومن اور منافق کے درمیان تمیز صرف اسی طرح ہوتی تھی کہ مومن ایسے ذوق و شوق کے ساتھ آتے تھے جیسے کہ وہ احساسِ فرض سے خود بخود کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ اور منافقین اس طرح بادلِ ناخواستہ آتے تھے کہ جیسے زبردستی اپنے آپ کو کھینچے لا رہے ہیں۔ اب صورتِ معاملہ بالکل بدل گئی ہے۔ آج کسی منافق کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنے کے لیے نمائشی نماز کی بھی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس کے بغیر بھی وہ مسلمان سمجھا جا رہا ہے۔ لہٰذا آج نماز مومن اور کافر کے درمیان نہیں بلکہ مومن اور منافق کے درمیان حدِ فاصل بن گئی ہے۔ اب منافق کی کھلی ہوئی علامت (باقی بر صفحہ ۱۰۲)

اور اپنا طلب احکام سے روگردانی کرنا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ...... الخ (النساء - ۱۱)

(۴۳) جہاد کا نام سن کر کانپ اُٹھنا اور میدانِ جہاد کی طرف رُخ کرتے ہوئے شدتِ خوف سے بدحواس ہو جانا۔ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ۔ (محمد - ۳)

(۴۴) فریضہ جہاد کی ادائیگی کے وقت جب کہ عامۂ امت اس فرض کو پورا کرنے کے لیے غنیم کے مقابل جا رہی ہو، ہر طرح کی استطاعت رکھنے کے باوجود امامِ وقت کے سامنے طرح طرح کے بہانے پیش کرنا اور پیچھے رہ جانے کی اجازت چاہنا۔ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ (توبہ - ۱۱)

(۴۵) جنگ کی ضرورت سورج کی طرح عیاں ہو لیکن مختلف تاویلوں سے تاکہ اس آزمائش سے نجات مل جائے، اس ضرورت کا انکار کرنا۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ۔ (آل عمران - ۱۷)

(۴۶) جہاد کی ضرورت سے انکار تو نہ ہو لیکن اس کی تکلیفوں اور صعوبتوں کا تصور کر کے اسے جنگی مصالح کے خلاف بتانا، خود بھی گھر بیٹھ رہنا اور دوسروں

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱) یہ ہے کہ وہ اذان کی آواز سن کر ٹس سے مس نہ ہو اور جب نماز کا وقت آئے تو ادائے فرض کے لیے حرکت نہ کرے۔

کو بھی تن آسانی اور پسندی کی ترغیب دینا۔ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ...... (توبہ-۱۱)

(۴۷) میدانِ جہاد میں مصالحِ ملّی اور اسلامی عزت و ناموس کے بجائے اپنی جانوں ہی کی فکر میں رہنا ...... وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ ...... يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا (آل عمران-۱۶)

(۴۸) مسلمان ہونے کا مطلب یہ سمجھنا کہ اب کسی مصیبت سے دوچار ہونا نہ پڑے گا کیونکہ جب ہمیں رب السموات والارض کے تنہا نام لیوا ہیں تو وہ ہم کو اپنے منکروں اور دشمنوں کے مقابلہ میں مبتلائے مصیبت کیوں کرے گا۔ پھر جب کوئی ایسا موقع آ پڑے کہ بظاہر مسلمانوں کو مادی ہزیمت پہنچ رہی ہو تو خدا، اس کے رسول اور اس کے بھیجے ہوئے دین اسلام کی صداقت میں طرح طرح سے شک کرنا۔ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا (احزاب-۲) يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (آل عمران-۱۶)

(۴۹) میدانِ جہاد سے امام اور لشکرِ اسلام کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونا، خواہ اپنی جان بچانے کی نیت سے، خواہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی غرض سے۔ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ...... إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا۔ (احزاب-۲)

(۵۰) شرکتِ جہاد کی سعادت سے محروم رہنے پر حزین و ملول ہونے کی بجائے مسرور ہونا۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔۔۔۔ ۔۔۔ (توبہ ۔ ۱۰)

(۵۱) خود رکنے کے علاوہ دوسروں کو بھی میدانِ جنگ میں جانے سے روکنا۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۔۔۔۔۔۔ (احزاب ۔ ۲)

(۵۲) راہِ حق میں جان دینے کی سعادت اور ارجمندی سے بے خبر ہونا۔ اسے مفت کا ضیاعِ جان سمجھنا۔ اور جس طرح کسی کی بدانجامی پر افسوس کیا جاتا ہے اس طرح شہدا کی موت پر اظہارِ افسوس کرنا۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (آلِ عمران ۔ ۷)

(۵۳) ایمان کی قوت اور صبر و توکل علی اللہ کی کیفیت کا قدر شناس نہ ہونا۔ کفر و ایمان دونوں کو اثر، نفوذ اور ثبات کے لحاظ سے ایک جیسا سمجھنا اس علم سے محروم اور اس یقین سے خالی ہونا کہ فتح و شکست کا مدار مادی اسباب پر نہیں بلکہ ایمان باللہ کی بخشی ہوئی قلبی استقامت پر ہے اور اپنے نصب العین کی خاطر عالمِ اسباب سے بالاتر ہو جانے میں ہے۔ اس حقیقت سے ناآشنا ہونا کہ حق پرست کی حمایت سے اگر دنیا جہان کے انسان منہ موڑ لیں تب بھی اس کے لیے غم و اضطراب کا کوئی موقع نہیں کہ دشمن اگر قوی دست نگہبان

تو ہی نہ رست۔ نفاق اسی ذوقِ یقین سے محرومی کا نام ہے۔ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ (انفال)

(۵۴) صرف اس وقت جنگ کے لیے نکلنا جب یہ توقع ہو کہ نہ کوئی خطرناک صورتِ حال واقع ہوگی اور نہ راستہ میں مشکلات اور مصائب پیش آئیں گی بلکہ نہایت آسانی سے مالِ غنیمت لوٹ کر واپسی ہو جائے گی۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ .... (توبہ)

(۵۵) خطرہ کے وقت تو مسلمانوں کا ساتھ نہ دینا مگر جب بُرا وقت گذر جائے اور مسلمان میدانِ جنگ سے واپس آئیں تو نہایت مومنانہ صورت اور مخلصانہ لب و لہجہ کے ساتھ ان کا استقبال کرنا اور اپنے عدمِ شرکت کی جھوٹی مجبوریاں بیان کر کے معذرت خواہ ہونا اور محض زبانی۔ اور وہ بھی نمائشی ــــ اظہارِ ہمدردی اور لمبی چوڑی قسموں سے لوگوں کو خوش رکھنے کی سعی کرنا۔ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ...... وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (توبہ)

(۵۶) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ میں شریک ہونے کی نوبت بھی آ جائے تو جماعت میں فتنہ انگیزیاں کرتے رہنا، اور اس طرح اسے تقویت دینے کے بجائے اور کمزور کرنا۔ لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَّلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ (توبہ ۔ ۶)

(۵۷) نظامِ تمدن کو اپنی اغراض کی خاطر برباد کرنا خصوصاً ایسے وقت کو

غنیمت سمجھنا جب کہ اہل ایمان دشمنانِ دین کے مقابلہ میں مشغول ہوں۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ

(محمد ـ ۳)

(۵۸) جہاد میں شریک ہونا بھی تو محض دنیوی فائدے اور حصول غنائم کے لالچ سے نہ کہ حق کو بلند کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کی خاطر۔ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا (نساء ـ ۱۰)

(۵۹) قربانیاں دینے کے وقت تو چھپ کر بیٹھ رہنا لیکن مال غنیمت، یا جو شے بھی عام مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل ہو اس میں حصہ بٹانے کے لیے اسلام کی فلاح و بہبود کا دم بھرتے اور ایمان کے نعرے لگاتے ہوئے آموجود ہونا۔ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ۔ (احزاب ـ ۲)

(۶۰) تقسیم غنائم کے وقت زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی سعی کرنا اور اگر حسب خواہش حصہ نہ لگے تو بگڑ بیٹھنا اور اپنی کارگذاریوں کو دیکھنے کے بجائے امام جماعت پر بہتان لگانا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ (توبہ ـ ۷)

(۶۱) ایسی پالیسی اختیار کرنا کہ جنگ سے اختتام پر بہرصورت اپنا
وہاں آرزو رہے۔ اگر مسلمان غالب ہوں تو ان سے بھی مال غنیمت میں حصہ مل
کر رہے اور اگر دشمن غالب رہیں تو ان سے بھی صلہ ہاتھ آئے۔ فَاِنْ كَانَ
لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ
نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (النساء ۲۰)

(۶۲) اسلام کی محبت کو اہل وعیال اور وطن کی محبت پر قربان کر دینا
اور بوقت ضرورت دین کی خاطر ترک وطن یعنی ہجرت نہ کرنا اور غیر اسلامی طرز
کی زندگی بسر کرنے پر قانع رہنا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ....
...... قَالُوْٓا اِنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ
اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا۔ (النساء ۱۴) نیز وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۔ (عنکبوت ۱)
(جیسا کہ پہلے بالتشریح بتایا جا چکا ہے، یہ آیت تمہید ہجرت کے
سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور یہاں منافق انہیں لوگوں کو کہا گیا ہے جو
ہجرت کا حکم آنے کے بعد مکہ سے نہ نکلنے والے تھے اور آخر کار نہ نکلے۔)

(۶۳) کفر کی حکومت میں بغیر کسی واقعی مجبوری کے رہنا و رغبت زندگی
بسر کرنا، اور اس کے ساتھ تعاون کرنا یہاں تک کہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی
تک میں اس کا ساتھ دے جانا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ

أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (النساء-۱۴)

(اس آیت کے متعلق بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ ان ضعیف الایمان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اسلام لانے کے باوجود صرف اس وجہ سے کفارِ قریش کے زیرِ سیادت مکہ میں زندگی گذار رہے تھے کہ وطن کی کشش اور جلاوطنی کے مصائب کی ہولناک صورت ہجرت کرنے سے مانع تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بدر کے دن یہ لوگ بھی طوعاً یا کرہاً مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے)

(۶۴) ایسے مواقع سے دور رہنا جہاں حق و صداقت کا اعلان ہو رہا ہو اور اگر وہاں پہلے سے موجود ہوں تو چپکے سے نظر بچا کر کھسک جانا۔ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ .... نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا۔ (توبہ-۱۶)

(۶۵) دل کا ایسا سخت اور سیاہ اور بے حس ہو جانا کہ قرآنی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہو بلکہ انہیں قابلِ نفرت سمجھ کر ان سے اعراض کرنا۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ۔ (مدثر-۲)

(۶۶) جماعتی حیثیت سے باہم منتشر رہنا، دلوں کا ایک دوسرے سے

پھٹا ہوا ہونا، اور ظاہر متحد معلوم ہونے کے باوجود باہم دگر کھنچے ہوئے رہنا۔
بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۔(حشر-۲)

یہ ستر نشانیاں ہیں جنہیں قرآن حکیم نے منافقین کے احوال بیان کرتے وقت ان کی امتیازی خصوصیات کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے یہ علامتیں تمام اقسامِ منافقین کے اعمال اور کیفیاتِ نفسی پر حاوی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر منافق میں یہ علامتیں ساری کی ساری موجود ہوں کسی منافق کے اندر ان میں سے دو چار ہوں گی تو دوسرے میں دس بیس ہو سکتی ہیں۔ اگر ایک منافق میں بعض علامتیں موجود ہوں گی تو دوسرے میں وہ نہ ہوں گی بلکہ ان کے علاوہ بعض دوسری ہوں گی۔ دراصل ان علامتوں کا وجود ہر صاحبِ نفاق کے ذاتی حالات اور اس کے انفرادی رجحاناتِ نفسانی پر منحصر ہے۔

ایک ضروری احتیاط

جن علامات کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اُن کو سامنے رکھ کر بلا تامل ہر اس شخص کو منافق کا خطاب نہ دے دیجیے جس کے اندر ان علامات منقولہ میں سے کوئی ایک علامت کسی وقت بھی نظر آجائے۔ منافقین کی جتنی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ان سب کا سرچشمہ انسان کی کمزوریِ نفس اور مادیات کی غیر معتدل محبت ہے۔ اور یہی کمزوریِ نفس اور غیر معتدل حبِ دنیا گناہ کا بھی سرچشمہ ہے۔ اس لیے ایک سچے مسلمان سے بھی ان اعمال کا صدور ہر وقت ممکن ہے، کیونکہ انبیاء کو چھوڑ کر کوئی انسان بھی، خواہ وہ کیسا ہی راسخ الایمان کیوں نہ ہو، معصوم نہیں نفس ہر شخص کے اندر ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جہاں اچھے اعمال کرتا رہتا ہے وہاں گناہوں کا ارتکاب بھی اس سے ہو سکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت ایک مسلمان بھی وہی حرکت کر بیٹھے جو منافق کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا اس جگہ منافق اور گنہگار مسلمان، دونوں کی پوزیشن اور دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

نفاق کی اس ساری بحث کو پڑھنے کے بعد آپ پر اب یہ امر تو مخفی نہ رہ گیا ہوگا کہ جب ایک منافق اسلامی تعلیمات یا ملی مصالح کے خلاف کوئی حرکت کامیابی کے ساتھ کر گذرتا ہے تو اس کے دل کو کیسی فرحت اور اس کے نفس کو کیسا سرور حاصل ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ اس کا ضمیر اپنی اس شنیع حرکت پر کسی قسم کی گرانی اور ناگواری کا احساس کرے الٹا اپنی کامیاب "سیاست" پر فخر کرتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان ایسی کوئی حرکت کب اور کیوں کرتا ہے اور پھر اس کے سرزد ہو جانے کے بعد اس کے ضمیر کا حال کیا ہوتا ہے؟ قرآن حکیم اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ:-

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا	اور (جنت ان متقیوں کے لیے ہے)
فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ	جو اگر کبھی کوئی برا کام کر گذرتے ہیں یا اپنے
ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا	نفس پر (گناہ کر کے) ظلم کر جاتے ہیں تو فوراً
لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ	ہی انہیں اللہ کا خیال آجاتا ہے پھر وہ اپنے
الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا	گناہوں کی معافی مانگتے ہیں ۔ اور اللہ کے
عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔	سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے؟
	وہ اپنے برے فعل پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے

ایسے ہی گناہگار مسلمانوں کے متعلق دوسری جگہ آتا ہے کہ:-

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا	اور (ان منافقوں کے علاوہ) وہ جنہوں نے

بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ (التوبہ ـ ۱۳)

پیچھے رہ جانے والے) بعض دوسرے لوگ بھی ہیں
جنہوں نے اپنے گناہوں کا (پورے احساسِ
ندامت کے ساتھ) اقرار کر لیا ہے۔ ان کے
کچھ اچھے اعمال بھی ہیں۔ اور کچھ برے بھی۔ توقع ہے کہ خدا اُن کی توبہ قبول کر لے اور معاف کر دے

ایک تیسری آیت بھی سامنے رکھیے :۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ
عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ
مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
(نحل ـ ۱۵)

جن لوگوں سے برے کام نادانی وجہالت
کی وجہ سے سرزد ہو جاتے ہیں اور جو گناہ کرنے
کے بعد توبہ کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں،
ایسے لوگوں کے حق میں یقیناً تیرا پروردگار اس
(توبہ اور اصلاح) کے بعد ضرور بخشش دینے والا
اور رحم کرنے والا ہے۔

ان تینوں آیتوں پر غور کرنے سے چند باتیں نکلتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے، اور ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کرتا ہے تو جہالت کی بنا پر یعنی کسی فوری جذبۂ نفسانی سے مغلوب ہو کر، نہ کہ سوچ سمجھ کر۔ تیسری بات یہ کہ ارتکابِ گناہ کے بعد فوراً ہی اس کا ضمیر مضطرب ہو جاتا ہے۔ ناگواری کے شدید احساسات سے اس کا حال متغیر ہو جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی صفتِ عدل اس کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو کر کھڑی ہوتی ہے

اس کی جبین ایمانی پر عرقِ انفعال کے قطرے نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ بغیر کسی توقف کے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے، اور خدا سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے، اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ چوتھی بات جسے اس تیسری بات کا سلبی پہلو کہنا چاہیے ــــ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی عمل بد پر قصداً جما نہیں رہتا یعنی یہ نہیں ہوتا کہ مسلسل اس برائی کو وہ کیے جائے اور اسے ترک کرنے کی نہ کوئی سعی کرے نہ اس کا قلب اس پر نفرت کرتا ہو۔

منافق ان تمام صفات سے عاری ہوتا ہے۔ وہ خلافِ شرع حرکتوں کو کسی فوری جذبۂ نفس سے مغلوب ہو جانے کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ دراصل وہ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ شریعت کی خلاف ورزی کو اس کی پابندی پر قصداً ترجیح دیتا ہے اور اس خلاف ورزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے شریعت کی پابندی میں نظاہر جو تکلیفیں اور لذتِ نفس سے محرومیاں ہیں ان کا موازنہ وہ ان فائدوں اور آسائشوں اور لذتوں سے کرتا ہے جو شریعت کی خلاف ورزی میں نظر آتی ہیں، پھر اس کا نفس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کو پہلی چیز قبول نہیں ہے اور صرف دوسری چیز ہی مطلوب ہے۔ اسی فیصلہ کی بنا پر جب وہ خدا کا قانون توڑتا ہے تو اسے شرمندگی کے بجائے فرحت و مسرت ہوتی ہے۔ اس کے دل میں خوفِ خدا کا شائبہ تک نہیں آتا۔ نہ استغفار اور توبہ کی طرف کبھی اس کا ذہن منتقل ہوتا ہے۔

یہ ہے بنیادی فرق ایک منافق میں اور ایک گنہگار مسلمان میں، اور یہی

دن سکتہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے خوارج نے مطلقاً ہر گناہ کبیرہ کے مرتکب
کو کافر قرار دے دیا۔ پس مذکورہ بالا صفاتِ منافقین کو سامنے رکھ کر اپنی
جماعت کے منافقوں کو چھانٹتے وقت ہمیں منافق اور گنہگار مسلمان کے اس
نازک فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ جسم کے فاسد اجزا کو کاٹتے
ہوئے اس کے صالح اجزا بھی کاٹ کر پھینک دیے جائیں۔

منافقین کے بارے میں شریعت کے احکام

منافقین کے بارے میں قرآن نے جو احکام صادر کیے ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ تو وہ ہے جو ان کی آخرت سے متعلق ہے یعنی یہ کہ اللہ یوم الدین ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ دوسرا حصہ ان کی دنیوی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، یعنی یہ کہ عام مسلمان، انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے، ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح آخری انجام کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کے درجات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان اور اعمال کے مراتب کے لحاظ سے انہیں مختلف مدارج عطا کیے جائیں گے، اسی طرح منافقین بھی سب ایک درجہ میں نہیں ہیں بلکہ ان کے مراتب نفاق کے اعتبار سے ان کی سزاؤں کے بھی مختلف مدارج قرار دیے جائیں گے جس منافق کے اندر نفاق اپنی پوری شدت سے کارفرما ہوگا اس کے عذاب کی کمیت اور کیفیت کچھ اور رہے گی، اور جس کے اندر نفاق کی معمولی اور نسبتاً ہلکی خصوصیات ملیں گی

اس کے عذاب کی نوعیت کچھ اور ہوگی ۔ یہی فرق ان احکام میں بھی ملحوظ ہے جو عام مسلمانوں کو منافقوں کے بارے میں دیئے گئے ہیں ۔ خود اصول جزا کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مختلف طبقاتِ منافقین کے درمیان یہ فرق ملحوظ رکھا جائے اور قرآن کے بعض اشارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔ مثلاً وہ لوگ جو خدا اور رسولِ خدا اور آیاتِ قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے تھے ان کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ :-

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ	منافقو! باتیں نہ بناؤ، یقیناً تم نے
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ	ایمان لانے کے بعد کفر کیا ۔ اگر ہم تم میں سے
عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ	ایک گروہ کو بخش بھی دیں تو دوسرے لوگوں کو
طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا	ضرور عذاب دیں گے کہ حقیقی اور شعوری مجرم
مُجْرِمِيْنَ ۔ (توبہ ۔ ۸)	وہی لوگ ہیں ۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق جو جان بوجھ کر اختیار کیا جائے اس کا مقام اور ہے اور جو محض جہالت اور قلتِ افتدار یا ضعفِ نفس کی بنا پر ہو اس کا مقام اور ہے اور کیا عجب ہے کہ رحمتِ الٰہی کا دائرہ کسی وقت میں وہاں تک بھی وسیع ہو جائے ۔

<u>منافقین کے طبقات</u> | اس نقطۂ نظر سے جب ہم عام منافقین کے حالات و صفات پر نگاہ ڈالتے ہیں اور ان کی کیفیاتِ نفسی کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ لوگ تین

مختلف طبقات میں بٹے دکھائی دیتے ہیں۔

ایک تو وہ اشرارِ ازلی ہیں جو اسلام اور کفر دونوں کی حقیقت، دونوں کے نظریات اور دونوں کے حیاتی نصب العین سے بخوبی واقف ہیں، پھر اس واقفیت کے بعد ان کا دل اسلام سے پوری طرح برگشتہ اور کفر اور کافرانہ نظریات کا سچا عقیدت کیش ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے کچھ مصالح ہیں جو انہیں مجبور کیے ہوئے ہیں کہ اسلام سے علانیہ بے تعلقی کا اظہار نہ کریں بلکہ منافقت کے لباس میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی کوشش کریں۔ یہ منافقانہ طرزِ عمل خواہ کسی نے اپنی ذاتی اغراض اور مصلحتوں کی خاطر اختیار کیا ہو، یا کسی مسالکِ کفر کے اعتقادات اور نظریات کو مسلم عوام میں کامیابی کے ساتھ پھیلانے کے لیے چال کے طور پر اختیار کیا ہو، یا مسلمانوں کے نظامِ ملّی میں اختلال برپا کرنے اور ان کے جماعتی رازوں کی جاسوسی کرنے اور درپردہ ان کی قوتوں کو فنا کر دینے کے لیے سیاسی حربے کے طور پر اختیار کیا ہو، بہر حال اس قسم کے تمام منافقین ایک ہی طبقہ میں شمار ہوں گے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو گو حالت نفاق میں گرفتار ہیں لیکن ان کا باطن اتنا زنگ آلود نہیں ہے جیسا کہ مقدم الذکر طبقہ کا ہے۔ ان کا نفاق یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یعنی ان کے سامنے اسلامی اور غیر اسلامی اصول و معتقدات اچھی طرح ایک دوسرے سے متمیز نہیں ہیں اور اس وجہ سے

وہ ناوانستہ کفر کی حالت میں مبتلا ہیں) یا پھر ان کے نفس کی کمزوریوں نے انہیں منافقین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ کفر کی بہ نسبت اسلام سے قریب تر ہیں مگر ان کے اسلام میں اتنی قوت نہیں ہے کہ اپنے اصول اور مسلک کی خاطر، جسے وہ حق کہتے ہیں اور حق سمجھتے، ضرورت پڑنے پر اپنے مادی علائق، اپنی طبعی لذات اور اپنے دنیوی مصالح کو قربان کر سکیں۔

پہلا طبقہ نفاق کی آخری سرحد پر ہے، جسے نفاق کا اتمام کہنا چاہیے اور دوسرا طبقہ نفاق کی ابتدائی سرحد پر ہے بلکہ یوں کہیے کہ ایک قدم اس کا دائرہ اسلام میں ہے اور دوسرا حلقۂ نفاق میں۔ منافقین کے یہ دونوں طبقے عہدِ رسالت میں بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

لیکن، جیسا کہ کہیں اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اس وقت ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جس کا نام ہم نے غیر شعوری منافق رکھا ہے۔ یہ طبقہ اپنے خیالات، مقاصدِ زندگی، اور طرزِ عمل کے اعتبار سے تو اسلام سے بالکل منحرف ہے، مگر اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر نہ صرف مصر ہے، بلکہ اسلام کے نام پر جان و بیٹے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بس مسلمانوں کو سربلند دیکھنے کے لیے مرا جاتا ہے۔ اس کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے لیے ویسی ہی عصبیت اور جاہلی حمیت ہے جیسی ایک پیدائشی ہندو میں ہندو پنت اور ہندوؤں کے لیے، اور ایک پیدائشی سکھ میں سکھ مت اور سکھوں کے لیے ہوتی ہے۔

قرآن نے صرف دو ہی مقدم الذکر طبقوں کے حالات و عواقب سے بحث کی ہے۔ لیکن اسلامی اصول و نظریات کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بآسانی یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ تیسرا طبقہ اپنی حالت میں طبقہ دوم سے بہت قریب ہے۔ اور اس کے احکام بھی ویسے ہی ہونے چاہئیں جیسے طبقۂ دوم کے احکام ہیں۔

اخروی انجام | اب دونوں گروہوں کے بارے میں ان کے اختلافِ مدارج کے لحاظ سے جو مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں ان پر غور کیجیے۔ یہ احکام، جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، دو حصوں میں منقسم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو منافقین کے اخروی انجام اور جزا و سزا کے متعلق ہیں۔ دوسرا وہ جو ان کی دنیوی زندگی یعنی منافق اور مسلم کے دنیوی روابط سے متعلق ہیں۔ یہاں ہم قرآن سے دونوں طبقوں کے منافقوں کے متعلق احکام الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ پہلے اخروی نقطۂ نظر سے پھر دنیوی اور سیاسی زاویۂ نگاہ سے۔

طبقۂ اول | پہلے طبقہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:-

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ
كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ
إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ
(توبہ ۔ ۷)

اے پیغمبر ان منافقوں سے کہدو کہ خواہ تم خوشی سے صدقہ دو یا زبردستی اور تنگ دلی سے (خدا کے ہاں بہرحال) ہرگز مقبول نہ ہوگا، کیونکہ تم لوگ فاسق ہو۔

آیت کے آخر میں اس نامقبولیت کی علت بھی بتادی ہے کہ یہ لوگ جذبۂ ایمانی کے تحت خرچ نہیں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی کا تو گذر ہی نہیں ہے، وہاں تو فسق — جو ضدِ ایمان ہے — کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ اور صرف صدقہ ہی پر کیا منحصر ہے فسق کی اس حلقہ بگوشی کی وجہ سے ان کے سارے — بظاہر اچھے — اعمال اکارت ہو جائیں گے :-

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ — ان منافقوں کے تمام اعمال ضائع ہو گئے

فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ (مائدہ - ۸) — اور وہ سراسر گھاٹے میں رہے۔

اور اس حبطِ عمل کا کیا نتیجہ ہوگا :-

"اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سے نارِ جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی ان کے لیے کافی ہے۔ اور خدا نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ (توبہ - ۹)

کفار اور منافقین دونوں کے لیے نارِ جہنم کی سزا تو ضرور ہے لیکن خدا کہتا ہے کہ منافقین کا انتقام کافروں کے مقابلہ میں بہت آگے ہے :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (النساء - ۲۱) — بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اور "یہ قید با مشقت" کی امتیازی سزا بالکل تقاضائے عدل ہے تامل کرنے سے کفر کے مقابلہ میں جُرمِ نفاق کی سنگینی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کافر کے اندر ساری کج روِیوں اور گمراہیوں کے باوجود ضمیر ہوتا ہے اور اس ضمیر میں خودی اور خودداری کی روح ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسلک کو حق سمجھ کر اس پر اڑ جاتا ہے اور اس کے خلاف ہر آواز کو باطل یقین کر کے اس کا دشمن بنتا ہے۔ مگر بدبخت اور ننگِ انسانیت منافق اس ایک خوبی سے محروم ہوتا ہے نفس پرستی کے سوا اس کا کوئی مسلک ہی نہیں ہوتا۔ وہ مادیات کے عشق میں اپنے ضمیر کو بالکل پست، بےحس اور ذلیل بنا لیتا ہے اور اس پوری تیاری کے ساتھ خدا کے حضور میں جاتا ہے کہ "درکِ اسفل" کے سوا کسی اور جگہ رہنے کے قابل ہی نہیں ٹھیرتا۔

یہ عذاب ان کے لیے لازمی ہے۔ اس قضائے مبرم کو کوئی نہیں ٹال نہیں سکتی۔ خدا کے نزدیک اپنے حبیب سے بڑھ کر کوئی مقبول نہیں لیکن اس کی دعائیں بھی یہاں کچھ نہیں کر سکتیں۔

"اے پیغمبر ان منافقوں کے لیے تم خواہ دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو تم چاہے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کرو تب بھی خدا انہیں کبھی نہیں بخشنے کا" (توبہ - ۱۰)

طبقۂ دوم | دوسرے طبقہ کے انجام سے متعلق اللہ رب العالمین نے ہمارے

سامنے کوئی واضح اور طے شدہ فیصلہ نہیں رکھا ہے۔ لیکن اتنا تو اس نے کھول کر کہہ دیا ہے کہ وہ دوزخ کا عذاب ضرور چکھیں گے۔ مثلاً ان ضعفاء کے بارے میں جو ہجرت نہ کر سکے تھے اور کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے معرکۂ بدر میں مارے گئے تھے، اس نے فرما دیا ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ (پس ان کا ٹھکانا جہنم ہے) اسی طرح غزوۂ تبوک میں جانے سے جو لوگ جی چرا رہے تھے اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کے بارے میں ارشادِ خداوندی آیا کہ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (اگر تم لڑائی کے لیے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا) يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (یہ لوگ جہاد سے جی چرا کر خود اپنے کو ہلاک کر رہے ہیں) غرض اس طبقہ کو بھی دوزخ کی ہولناکیوں سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔ اس ناگزیر انجام سے انہیں نہ تو یہ عذر بچا سکے گا کہ ہمیں ایمان کی صحیح کیفیت اور اس کے مقتضیات کا علم نہ تھا، اور نہ یہ عذر کچھ کام آ سکے گا کہ ہم اسلام کے منکر یا بدخواہ اور دشمن نہ تھے خدا کی عدالت دو ٹوک فیصلہ کرے گی اور اس ضعفِ ایمانی اور جہالت و بے خبری کا انجام بھی ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ ہاں طبقہ اولیٰ کے مقابلہ میں ان کی سزا بہر حال ہلکی ہوگی۔ ان کے لیے درکِ اسفل نہ ہوگا۔ نہ ان کے متعلق قرآن نے ملعونیت کی وعید سنائی ہے اور نہ ہی اس امر کا اعلان کیا ہے کہ وہ — طبقہ اولیٰ کی طرح — دوزخ میں ابد تک رہیں گے۔ پھر ان کی سزاؤں کا اندازہ کیا ہے؟ اس کی صحیح تعیین کس

طرح کی جائے؟ یہ سوال ہمارے طے کرنے کا نہیں۔ مالک یوم الدین کی حکمت، رحمت اور مشیت ہی اسے طے کرے گی۔ بندہ کو تو بہر حال اس کی تمام صفات میں سے صرف اس کی صفتِ رحمت ہی کے دامن کو پکڑنا چاہیے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا۔

اسلامی جماعت میں منافقین کی حیثیت | ان کی آخری زندگی کا حشر تو آپ سن چکے آیئے اب اس امر پر غور کریں کہ اہلِ ایمان کو ان منافقوں کے ساتھ دنیا میں کس طرح پیش آنا چاہیے! اور ان کے ساتھ امتِ مسلمہ کے سیاسی، معاشرتی اور عمرانی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ تو جیسا عرض کیا جا چکا ہے، آخری احکام کی طرح دنیوی احکام کے لحاظ سے بھی دونوں طبقوں کی نوعیت جُداگانہ ہے۔

طبقہ اول کی حیثیت | پہلے طبقہ کے بارے میں قرآن مجید کا بنیادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ مومن تو اللہ کی پارٹی ہیں لیکن یہ منافق شیطان کی پارٹی ہیں اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ۔ (مجادلہ - ۳) اس لیے خواہ یہ لاکھ اظہارِ ایمان کریں، امتِ اسلامیہ ـــ یعنی حزب اللہ ـــ سے ان کا کوئی ربط نہیں، یہ کبھی بھی جماعت میں شمار نہ کیے جائیں۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ۔ (توبہ)	اور یہ منافق قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہاری جماعت میں ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔

یا کہ:۔

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۔ یہ منافق تمہارے دشمن ہیں ان سے خبردار رہو۔ (منافقون - ۱)

کیونکہ دشمن سے کبھی بھی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ بالخصوص ایسا دشمن جو دوست نما ہو۔ اس کی خطرناکیوں کا پوچھنا ہی کیا۔ ایسے دشمنوں سے کھلے دشمنوں (کفار) کی بہ نسبت دوچند خبردار اور متنبہ رہنے کی ضرورت ہے۔ پھر اس "فَاحْذَرْهُمْ" کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ :۔

فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ ...... وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (النساء - ۱۲) ۔ تو ان منافقوں میں سے اپنے ساتھی اور دوست نہ بناؤ ...... اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست سمجھو اور نہ مددگار۔

یعنی ان لوگوں سے کامل علیحدگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ انہیں اپنے معاشرتی، انتظامی، تعلیمی اور سیاسی معاملات سے بالکل دور رکھنا چاہیئے اور ان کا مکمل بائیکاٹ کر کے اپنی جماعت سے الگ کر دینا چاہیئے۔ اس بائیکاٹ میں کسی مداہنت کو راہ نہیں دی جا سکتی خصوصاً سیاسی معاملات میں نہ تو ان سے کوئی مشورہ لیا جا سکتا ہے، نہ اپنی جماعت کے اسرار اور رموزِ مملکت سے انہیں آگاہ کیا جا سکتا ہے۔ اور کسی معاملہ میں ان حضرات کی قیادت و رہنمائی قبول کرنے کا تو تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ آں حضرت کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ :-

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ — اے نبی اللہ سے ڈرو اور ان کافروں اور
وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ — منافقوں کی کسی بات کی پیروی نہ کرو۔

(احزاب - ۱)

جب ایک مرتبہ کسی آزمائش میں ان کی منافقت، موقع پرستی اور ریشہ دوانی بے نقاب ہو جائے تو حتی الوسع انہیں کسی جہاد میں تمام مسلمانوں کے ساتھ نہ شریک کیا جائے کیونکہ اگرچہ ان کی شرکت سے بظاہر مسلمانوں کی جمعیت بڑھی ہوئی اور ان کی قوت زیادہ نظر آئے گی لیکن درحقیقت ان کی شرکت مفاد اسلامی کے حق میں زہر ہوگی، اس لیے کہ وہ میدانِ جہاد میں بھی اپنی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز نہ آئیں گے اور اسلامی جماعت کی کمزوری اور پراگندگی ہی کا سبب بنیں گے لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ (توبہ - ۷) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں، جو غزوۂ تبوک کے آلام و مصائب کا اندازہ کرتے گھر بیٹھ رہے تھے حکم صادر کیا کہ :-

"اے نبی اگر اللہ تعالیٰ انہیں زندہ و سلامت ان منافقوں کے کسی گروہ میں واپس لے جائے اور یہ آئندہ کسی موقع پر جنگ کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان سے کہہ دو کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی جنگ کے لیے چلنے نہ پاؤ گے

اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑنے پاؤ گے۔ تم نے پہلی مرتبہ (میرے
ہمراہ جنگ کے لیے چلنے کے بجائے) گھر بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب
بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ (توبہ - ۱۱)

اور یہ حکم اس وقت اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جب مقابلہ آسان
ہو، تکالیف کا اندیشہ کم ہو اور نتیجہ جنگ کے طور پر بہت کچھ فوائد حاصل
ہونے کی توقع ہو۔ ایسے وقت میں منافق بڑی جانفروشی کا اظہار کرتا ہے
سراپا پیکر اخلاص بن جاتا ہے اور جنگ میں سب سے آگے آگے چلنے کی سعی
کرتا ہے ـــــ حالانکہ یہی ایمان کا جھوٹا مدعی کڑی آزمائشوں اور سخت
قربانیوں کے وقت، اس سے پہلے، ہزاروں حیلے بہانے کر کے گوشہ
عافیت میں روپوش ہو چکا ہوتا ہے ـــــ سو امام وقت کو چاہیے کہ ایسے
لوگوں کو ہرگز ساتھ نہ چلنے دے، جیسا کہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں
کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آں حضرت کو حکم دے دیا تھا کہ خیبر کی سہل التحصول
غنائم کے لیے جب تم نکلنا تو ان لوگوں کو ہرگز ساتھ نہ لے جانا (قُل لَّن
تَتَّبِعُونَا) خواہ وہ اپنی اسلامیت کا لاکھ مظاہرہ کریں۔ ہاں اگر حقیقت
میں ان کے دل بدل جائیں اور واقعی اپنے کو مخلص ثابت کرنا چاہتے ہوں
اور اپنے اندر ایمانی قوت پیدا کر کے اسلام پر جان نثار کرنے کے آرزومند
ہوں اور محض فائدے کے لیے جنگ میں نہ جانا چاہتے ہوں تو ان سے کہنا

چاہیے کہ ابھی خاموش بیٹھو، تمہارے گذشتہ اعمال و اطوار تمہاری منافقت اور بزدلی کا فیصلہ دے چکے ہیں۔ اگر تم اس فیصلہ کو منسوخ کرانا اور اپنی سابق روش سے تائب ہو کر اپنے کمالِ ایمان اور خلوصِ اسلام کا ثبوت پیش کرنا اور اپنی پیشانی سے بزدلی و نفاق کا کلنگ مٹانا چاہتے ہو تو انتظار کرو ایک ویسی ہی سخت اور کڑی آزمائش کا جو عنقریب ایک قوی دشمن سے ساتھ مقابلہ کی شکل میں پیش آنے والی ہے۔ کیونکہ حقیقت تو اسی وقت واضح ہوگی۔ اس وقت، جب کہ قربانیوں کا اندیشہ کم اور متاعِ دنیوی سے حصول کا قرینہ غالب ہے تمہاری صحیح جانچ کا کوئی موقع نہیں۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (فتح ـ ۲)

پھر ان سے الگ تھلگ رہنے میں اتنی شدید احتیاط برتنی چاہیے کہ اگر کبھی ان کی طرف سے بظاہر کسی نیک کام کی تحریک ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس سے بھی تعاون نہ کیا جائے۔ اور اگر اس "نیک" تحریک کی تہہ میں کوئی شیطنت جھلکتی نظر آجائے، تب تو اس کی تمام تر ظاہری خوبیوں اور چمک دمک کے باوجود اس کی علی الاعلان سخت مخالفت کرنی چاہیے۔ دیکھیے مسجد کی حرمت مسلمانوں کی نگاہ میں کتنی زیادہ ہے اور اس کو بنانے اور آباد کرنے

کی سعی کتنی مشکور اور محمود ہے مگر جب شیطان کے ایجنٹوں نے اسی مقدس اور
محترم شئے کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہا اور نیکی و احسان کے بڑے بڑے دعووں
کے ساتھ مسجدِ قبا کے مقابلہ میں ایک اور مسجد بنا کر کھڑی کر دی (دعویٰ یہ تھا
کہ کمزور اور بوڑھے مسلمانوں کو رات کے اندھیرے میں زیادہ دور نہ جانا پڑے
حالانکہ نیت صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کی جماعت میں جو اتحاد اور ائتلاف موجود
ہے اسے انتشار سے بدل دیا جائے) تو اللہ تعالیٰ نے آں حضرتؐ کو مخاطب
کر کے فرمایا کہ مٹی اور پتھر کی اس عمارت کو جسے یہ منافق مسجد کہتے ہیں نیکی کا
مرکز نہ سمجھنا۔ یہ مسجد تو شر کا سرچشمہ ہے جس کی ستونیں عداوتِ حق کے جذبات
سے پھوٹی ہیں جس کی تعمیر غضبِ الٰہی کی سرزمین پر ہوئی ہے اور جس کا رُخ
ٹھیک بابِ جہنم کی طرف ہے۔ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ...
...... أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ
فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔ (توبہ ۔ ۱۳) اس لیے مسجد کے نام اور اس کے احترام
و تقدس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ تمہیں اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ہونا چاہیے
یہاں تک کہ اس میں تم کو کھڑا بھی نہ ہونا چاہیے۔ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا۔

اس ترکِ موالات کی آخری حد یہ ہے کہ ایسے منافقوں کی نہ تو نمازِ
جنازہ پڑھی جائے اور نہ ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے :-

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ — اور ان منافقوں میں سے اگر کوئی مر جائے

مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ - (توبہ - ۱۱)

تو کبھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر دعائے مغفرت کرنے کے لیے کھڑے ہو

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن اُبی جیسے منافق کی بھی آپ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اسی موقع پر یہ حکم آیا اور اس کے آنے کے بعد آپ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

یہاں تک جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ ان تمام منافقین کے حق میں نافذ ہوں گے جو اسلام اور کفر دونوں کی ماہیت سمجھنے کے بعد کفر کی پیروی اختیار کریں اور خفیہ یا علانیہ اسلام کے مقابلہ میں کفر کو تقویت دیں، اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں۔ لیکن اس مقام سے آگے بڑھنے پر ایک سوال اور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس عدمِ موالات کے باوجود بحیثیت ایک جماعت کے ان کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کا سیاسی برتاؤ کس طرح کا ہوگا۔ کیا محض ان سے الگ تھلگ ہو رہنے اور انہیں اپنی جماعت سے عملاً خارج کر دینے ہی پر اکتفا کیا جائے گا یا کوئی اقتصادی دائرۂ عمل بھی متعین کیا جائے گا؟ سو قرآنی احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لحاظ سے اس قسم کے منافقوں میں تفریق کی جائے گی۔ اگرچہ اپنی نفسانی خباثت اور اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو یہ سب ایک ہی جماعت

ہیں لیکن جس طرح تمام کفار اپنے مشرکانہ عقائد اور کافرانہ اعمال کے لحاظ سے ایک ملت ہونے کے باوجود مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں یعنی بعض تو کھلے محارب قرار پاتے ہیں اور ان سے کسی قسم کا ربط وضبط روا نہیں، اور بعض محارب اور مباح الدم نہیں ہوتے اور ان سے عام معاشرتی تعلقات رکھنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کی اجازت ہے، اسی طرح ان درجہ اول کے منافقین میں بھی فرقِ مراتب ہے۔

ایک تو وہ ہیں جو اسلام دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے اور اپنی سرگرمیاں اسلام کی بیخ کنی کے لیے وقف کیے ہوئے ہوں، اور دن رات مسلمانوں پر تباہی لانے کی گھات میں لگے رہتے ہوں، اور کفر و کفار کی علی الاعلان وفادارانہ خدمات بجا لا رہے ہوں۔ ان کے متعلق شروع میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ تنبیہ نازل کی تھی کہ:-

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ	اگر یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں
وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ	میں مرض ہے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں
وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ	اڑانے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا	تو اے پیغمبر ہم تمہیں ان کے خلاف ایک
يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا	دن چڑھا دیں گے پھر وہ مدینے میں تمہارے
مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا	پڑوس میں چند دن سے زیادہ ٹھہر نے

وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا۔ (الاحزاب - ۸) نہیں پائیں گے، ہر طرف ان پر پھٹکار پڑ رہی ہوگی اور جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بُری طرح قتل کیے جائیں گے۔

کچھ مدت گزرنے پر یہ تنبیہ اور تہدید، جو مستقبل سے متعلق تھی، احکام کی صورت میں یوں نازل ہوئی :-

فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا۔ (النساء - ۱۲)

اگر یہ فتنہ پرداز منافق تم سے کنارہ کش نہ رہیں، نہ تمہیں صلح و آشتی کا پیغام دیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی ملیں۔ اور (منافقوں میں سے) یہی وہ گروہ ہے جن کے اوپر ہم نے تمہارے لیے کھلی حجت دے دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

(سورۂ توبہ - ۱۱ - نیز سورۂ تحریم - ۲)

ان آیات میں منافقوں کی جو حیثیت بیان کی گئی ہے وہ ان کفار کی حیثیت سے یک سرمو بھی مختلف نہیں ہے جو ملتِ اسلام کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ پس ایک مسلمان کے لیے اس غیر مبہم فرمانِ الٰہی کے رو سے

ضروری ہے کہ ہر اس شخص کے خلاف، جو معتبر قرائن کی بنا پر زیر بحث طبقہ منافقین میں شمار ہونے کے قابل ہو، اپنے سارے ذرائع سے اُٹھ کھڑا ہو۔ امام جماعت پر فرض ہے کہ ان وقبالوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے انہیں بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکے اور جماعت کو ایسے مہلک عناصر سے یک لخت پاک کر دے۔ اسی طرح عام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لیں، ان کے خلاف ہر ممکن ذریعہ مجاہدہ اختیار کریں اور ان کا سوسائٹی میں سانس لینا دوبھر کر دیں خصوصاً جو بد قسمت مسلمان اپنا کوئی سیاسی مرکز، اجتماع اور اپنا کوئی امیر نہ رکھتے ہوں ان کے لیے تو معاشرتی بائیکاٹ ہی ان زہریلے جانوروں سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے لیکن اگر نام نہاد مسلمان ان منافقوں کے ساتھ اپنے وطنی، نسلی، خاندانی، معاشی اور معاشرتی تعلقات کا لحاظ کر کے، یا ان سے فائدے کی امیدیں رکھ کر، یا ان کی طاقت سے مرعوب ہو کر، مداہنت کو راہ دیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کشتی کبھی ساحل مراد پر نہیں پہنچ سکتی جس پر سوار ہونے والوں میں سے بعض لوگ اس میں سوراخ کر رہے ہوں اور دوسرے اُن کا ہاتھ پکڑنے کے بجائے خاموشی سے طرح دیے جا رہے ہوں۔ رب العزت کی قسم ایسی کشتی ڈوب کر رہے گی اور صرف سوراخ کرنے والے ہی اس کے ساتھ نہ ڈوبیں گے بلکہ خاموشی سے تماشہ دیکھنے والے بھی موجوں کی نذر ہو جائیں گے۔ وَاتَّقُوا

فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۔

رہ گئے ورجہ اول کے وہ منافق جو اسلام کے خلاف عملاً دشمنی نہ کرتے ہوں اور نہ اسلام کے دشمنوں کی اعانت کرتے ہوں، تو ان کے معاملہ میں اگرچہ بائیکاٹ اور عدم موالات کے اُن تمام احکام پر عمل کیا جائے جن کا اوپر ذکر ہوا، لیکن محارب نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا، جیسا کہ خود مذکورہ بالا آیات کے انداز بیان سے مستنبط ہوتا ہے کیونکہ ان منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتے ہوئے اس شرط کا سب سے پہلے تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ لَئِن لَّمْ يَنتَهِ (اگر یہ منافق اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے) اور فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ (اگر یہ تمہاری مخالفت نہ چھوڑیں اور تم سے صلح کے طالب نہ ہوں اور تمہارے مقابلہ سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں)۔ اس کے علاوہ ایک مستقل آیت میں اسی طرح کے منافقوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ :-

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (النساء - ۹)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے راز اللہ خوب جانتا ہے، پس اے پیغمبر ان سے کوئی تعرض نہ کرو، انہیں ان کے انجام سے ڈرا کر نصیحتیں کرو اور دل نشیں پیرایہ میں انہیں سمجھاؤ ۔

تبلیغ حق اور تذکیر و ہدایت تو رحمۃ للعالمین کا واحد مشن تھا جسے آپؐ نے پتھروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں بھی فراموش نہ کیا، اس لیے ان منافقوں کو بھی سچائی کی طرف بلانے پر آپ ہر وقت مامور تھے لیکن اس وعظ و پند اور ان کی نفاق پرستی سے صرف نظر کر لینے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ هم العدو فاحذرهم کی حدود سے باہر ہیں یا لا تطع الكٰفرين والمنٰفقين کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، یا لا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا کی عمومیت سے خارج ہیں۔ یہ ہیں تو بہرحال درجۂ اول کے منافق، لہٰذا سوشل بائیکاٹ کے احکام و ہدایات کے سلسلہ میں تو یہ سرگرم عناد و قتال منافقوں کے ساتھ برابر کے رکھے جائیں گے فرق صرف اتنا ہے کہ فخذوهم واقتلوهم کی زد ان پر نہیں پڑتی ورنہ باقی ہر حیثیت سے تمام مسلمانوں کو اس قسم کے منافقوں سے عدم الالتفات کی اس پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے جس کی توضیح سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو خدا کی سنت کے مطابق نفاق کور باطنی اور بے ضمیری کا زنگ آہستہ آہستہ ان کے آئینۂ قلب پر بھی چڑھنے لگے گا اور ایک وقت آئے گا کہ ایمان کی ساری روشنی اس کے نیچے مستور ہو جائے گی۔

طبقۂ دوم کی حیثیت | اس کے بعد دوسرے طبقہ کو لیجیے جو ضعفاء اور جہلاء پر مشتمل ہے۔ ان کے بارے میں قرآن زیادہ تفصیلات نہیں پیش کرتا لیکن

ایک جامع اصول اس نے ایسا بیان کر دیا ہے جو ہر تفصیل طلب امر کے سلسلے میں رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ ایمان کا دعویٰ تو کر چکے تھے لیکن جب ہجرت کا موقع آیا تو وہ قربانی کے راستہ میں پیچھے رہ گئے۔ ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ:۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ
يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم
مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ
اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ
النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ (انفال ۔ ۱۰)

جو لوگ ایمان تو لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہ کی ان کی ولایت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ بھی تمہاری طرح ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے بشرطیکہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو۔

اس آیت میں ان کی حیثیت بالکل بے نقاب کر دی گئی ہے۔ اس بارے میں تو یہ دوسرے پختہ کار منافقوں ہی کی سطح پر ہیں کہ مسلمانوں کے اولیا نہیں ہو سکتے لیکن اس اشتراکِ لفظی کے اندر بھی اختلافِ معنی کی جھلک موجود ہے اور آیت کے مختلف ٹکڑے صاف بتا رہے ہیں کہ اس عدمِ موالات میں اور اس قطعِ تعلقات میں جس کا طبقہ اولےٰ کے منافقوں کے بارے میں حکم ہوا ہے بہت کافی فرق ہے۔ یہ صحیح

ہے کہ وہ جماعتِ اسلامی میں شمار نہیں ہوں گے، بعینہٖ اُس طرح جس طرح کہ طبقۂ اولیٰ کے منافقین جماعت کے ارکان نہیں سمجھے جا سکتے لیکن اس طبقۂ منافقین کی طرح نہ تو ان پر سختی اور غلظت کی جائے گی، نہ ان سے قتال کیا جائے گا، نہ انہیں قتل اور گرفتار کیا جائے گا، بلکہ اگر ان کفار کے خلاف جن کے نرغہ میں یہ گھرے ہوئے ہوں، یہ امداد طلب کریں اور اس امداد کے ذریعہ حلقۂ کفر سے اپنے کو نجات دلانا اور حقیقی اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے آزاد ماحول پیدا کرنا چاہیں تو جماعتِ اسلامی پر ان کی اعانت فرض ہے، بشرطیکہ کافروں کی وہ قوم جس کے خلاف یہ عنصر اہلِ ایمان اعانت مانگ رہے ہیں، ملتِ اسلامیہ کی معاہد قوم نہ ہو۔

اسی طرح عام انسانی سلوک اور حسنِ معاشرت کے لحاظ سے یہ لوگ بہت زیادہ توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں اور مسلمانوں کا اخلاقی فرض ہے کہ ان پاشکستہ اور کم ہمت انسانوں کو جو ایمان کی صبر آزما گھاٹیوں میں تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، ہر ممکن سہارا دیں، انہیں ایمان کے مقتضیات سے بار بار آگاہ کریں، وعظ و پند کے ذریعہ انہیں ان کی زندگی کا حقیقی مشن اور انسانیت کا فرضِ منصبی یاد دلائیں، ضعفِ ایمان کی دنیوی اور اُخروی خسران سے ڈرائیں۔ یہی حکمتِ عملی قرآنِ حکیم نے ان کے متعلق اختیار کی تھی۔ اس نے کبھی بھی ان سے لڑنے بھڑنے یا انہیں قتل کرنے یا ان سے یکسر تعلقات

منقطع کر لینے کی تلقین نہیں فرمائی۔ بلکہ جب کبھی ان کو اس نے مخاطب کیا، ہر مرتبہ انہیں عذابِ آخرت کی ہولناکیوں کو یاد دلا کر متنبہ کیا کہ اس حالت سے، جو حالتِ نفاق ہے، نکلو اور پوری طرح شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرو ورنہ دوزخ کی سختیاں جھیلنے کے لیے آمادہ رہو۔ چنانچہ یہی آیت جس میں مکہ سے ہجرت نہ کرنے والے ضعفاء کا ذکر ہے، اس میں ان کے انجام کے متعلق قرآن نے صرف اتنا ہی کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ۔ اس کے آگے اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اسی جگہ اگر سچے منافقوں کا تذکرہ ہوتا تو صرف اسی وعید پر اکتفا نہ کی جاتی بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ (انہیں پکڑ پکڑ کر قتل کرو) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)۔

اور یہ جو انہیں بار بار عذابِ قیامت سے ڈرایا جاتا تھا تو اس کی حکمت یہی تھی کہ جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی ہو وہ کفر کی تاریکیوں سے پورے پورے باہر نکل آئیں اور ہمہ تن مسلم بن جائیں، اور ایمان میں جو خامی رہ گئی ہے، آخرت کے ہولناک تصور سے وہ دور ہو جائے۔ یہی حکمتِ اصلاح و تبلیغ آج بھی سچے مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے۔ ہاں یہ احتیاط رہے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کا فرمان نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے

پاسے، جو بے شمار حکمتوں اور دانائیوں کا حامل ہے۔ باوجود ہر طرح کی ہمدردی اور شدت اعتنا کے یہ لوگ اس کے سزاوار ہرگز نہیں ہیں کہ انہیں حزب اللہ کا رکن سمجھا جائے اور انہیں وہ جماعتی اور سیاسی حقوق دیئے جائیں جو حقیقی مسلمانوں کا حصہ ہیں۔ نہیں نہ تو امت کے جماعتی حقوق سے یہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں، نہ انہیں نظم و نسق ملی میں کسی طرح شریک و سہیم بنایا جا سکتا ہے، اور نہ اسلامی رموز و مصالح کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کو ملت کا قائد بنانے کا تو اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قومی و ملی تباہی اور ہلاکت کے محضر نامہ پر دستخط نہ کر دیے جائیں۔

طبقۂ سوم کی حیثیت تیسرے طبقہ کا جس کا نفاق درحقیقت جہالت اور ناواقفیت پر مبنی ہے، اس سے ذرا مختلف حکم ہے۔ اس طبقہ کے لوگ جو اسلام سے ناواقف ہونے کے باعث کافرانہ خیالات اور کافرانہ طرزِ زندگی رکھتے ہیں، اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ ان کو محض ان کے ناموں اور پیدائش کا لحاظ کر کے مسلمان سمجھنا غلطی ہے۔ یہ دراصل اس کے مستحق ہیں کہ ان کے سامنے اسلام اسی طرح پیش کیا جائے جس طرح غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے انہیں اسلام کے اصول و نظریات سے اچھی طرح باخبر کیا جائے اور واضح طور پر اسلامی

صراطِ مستقیم اور غیر اسلامی سبیل الطاغوت کا فرق انہیں سمجھایا جائے پھر انہیں صاف صاف کہہ دیا جائے کہ یا تو اپنے دل و دماغ کو اسلام کے حوالے کر دو اور زندگی کی ہر منزل میں اسلام جو ہدایت دے اس پر بے چون و چرا عمل کرو ورنہ اسلام سے علیحدگی کا کھلے طور پر اعلان کر دو اور اپنے نام بدل ڈالو۔ اگر وہ تعلیم حاصل ہونے کے بعد اسلام قبول کریں تو جماعت اسلامی میں شمار کیے جائیں اور اگر علانیہ اسلام سے نکل کر اپنے نام بدل لیں تو انہیں مرتد نہیں بلکہ کافر قرار دیا جائے۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے ہی نہیں کہ ان کے بارے میں ارتداد کا لفظ استعمال کیا جا سکے۔ لیکن اگر اس وضوحِ حق کے بعد بھی وہ اپنی اس دو رنگی پالیسی پر چلتے رہیں اور ایک پاؤں کشتیِ اسلام میں اور دوسرا کشتیِ کفر میں رکھ کر زندگی کا سفر طے کرنے کی کوشش کریں تو اس صورت میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ بلا کسی رو رعایت کے ان کا پاؤں پکڑ لیں اور کشتیِ اسلام سے بجبر اس کو نکال پھینکیں۔

اس طبقہ کے جو لوگ اسلام سے جاہل اور غیر اسلامی عقائد و اعمال کے پیرو ہونے کے باوجود محض "قومی" تعلق کی وجہ سے مسلمانوں کی دنیوی ترقی اور سیاسی حقوق اور مادی غلبہ کے لیے جد و جہد کرنے کے لیے اٹھتے ہیں ان سے بھی مسلمانوں کو دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ ان کی کسی سیاسی یا

عسکری یا تعلیمی تحریک سے مسلمان اپنی حقیقی منزل مقصود کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ملت اسلام کے قائد بننے کے ہرگز اہل نہیں۔ بلکہ اس کے مستحق ہیں کہ پہلے ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ جب تک یہ ایمان لاکر واقعی احکام اسلامی کے آگے سر نہ جھکا دیں ان کو قیادت تو در کنار ملت کی صف آخر میں بھی مشکل کھڑا رہنے دیا جا سکتا ہے۔

یہ ہے نفاق کی حقیقت اور یہ ہیں منافقین کی علامتیں اور ان کے احکام۔ ہر مسلمان جو حقیقت میں مسلمان رہنا چاہتا ہو اُسے چاہیے کہ اپنے مقامی حالات اور اپنے گردو پیش کے لوگوں پر نظر ڈال کر منافقوں کو پہچانے اور ان میں تمیز کرے اور ان مطالبات قرآنی سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے۔ اس بارے میں ملک، نسل، قوم، وطن، خاندان اور خون کے تعلقات یا وقتی مصلحتیں اسے مداہنت پر آمادہ نہ کریں۔ جو لوگ کسی مصلحت یا کسی کمزوری کی بنا پر منافقین کے ان طبقوں میں سے کسی طبقہ کے ساتھ مداہنت برتیں گے وہ آخر کار خود اپنے ایمان کو خطرے میں ڈال دیں گے۔

معرکۂ اسلام و جاہلیت

از

مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی

اسلام اور جاہلیت اسی طرح کے دو تضاد ہیں جیسے نور اور ظلمت اور سفیدی اور سیاہی۔ اسلام نام ہے چند مقررہ اصولوں کا جن کی اتباع سے انسانی زندگی اسفل السافلین سے نکل کر اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر انسان جو طبعاً "ظلوماً جھولاً" واقع ہوا ہے وہ بلندیوں کی طرف رُخ کرنے کی بجائے پستیوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ گویا وہ اسفل السافلین سے نکلنے کے بجائے اور زیادہ تحت الثریٰ میں پہنچنا چاہتا ہے۔ وہ اسلام کے مقررہ اصولوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی زندگی میں زیادہ کشش اور آسانی دیکھتا ہے۔ غیر اسلامی طرز زندگی کو جاہلیت کی زندگی کہتے ہیں۔ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی نے اسی کشمکش کا نقشہ کھینچا ہے۔

کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ؍)

ملنے کا پتہ

اقبال اکیڈمی۔ ظفر منزل۔ تاج پورہ۔ لاہور

افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

از

مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی

حقیقتِ نفاق کے مولف جناب مولانا صدرالدین اصلاحی نے شاہ صاحب رح کی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے بعض نہایت اہم مضامین نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ عربی سے اردو میں ترجمہ کر ڈالے ہیں۔ جو حضرت حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ عربی میں نہیں کر سکتے اُن کے لئے یہ نادر موقع ہے کہ وہ اس کتاب کے نہایت اہم مطالب و مسائل کو اس مختصر رسالہ میں ملاحظہ فرمالیں۔ حسب ذیل مضامین کتاب میں درج ہیں۔

۱۔ چوتھی صدی ہجری کا فقہی و مذہبی انقلاب۔
۲۔ اختلافی مسائل اور اُن کا نقطۂ عدل۔
۳۔ معیشت و معاشرت۔
۴۔ ابتغاء الرزق۔

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ۸)

ملنے کا پتہ:۔ اقبال اکیڈیمی۔ ظفر منزل۔ تاج پورہ۔ لاہور